سفرنامہ

* ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان
* ڈاکٹر سراج احمد خان
* حافظ منیر احمد خان

گابا ایجوکیشنل بکس
اردو بازار۔ ایم اے جناح روڈ، کراچی۔

نام کتاب : سفرنامے

مصنف : ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر سراج احمد خان، حافظ منیر احمد خان

شائع کردہ : گابا ایجوکیشنل اردو بازار ۔ ایم اے جناح روڈ، کراچی

تعداد اشاعت :

تاریخ اشاعت : جنوری ۱۹۹۷ء

قیمت : ۲۰ روپے

طباعت :

کمپوزنگ : خلیل احمد بھٹو

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

بفضلہ تعالیٰ میرے والد ڈاکٹر سراج احمد خان صاحب نے سات حج ادا کیے ہیں اور ہندوستان کے کئی سفر کئے ہیں۔ لیکن جب انہوں نے شمالی پاکستان کے بعض علاقوں کا سفر کیا اور وہاں کے حالالت لکھے تو مجھے بھی خیال آیا کہ میں بھی اپنے سفروں کے حالات لکھ ڈالوں تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل ہوجائے کہ۔ قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدا الخلق (۲۹/۲۰)

بحمد اللہ میرے دادا ابا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے ہندستان اور پاکستان کے چپے چپے میں بزرگان دین کے مزارات پر حاضری کی سعادت حاصل کی ہے اور بکثرت لائبریریوں کے قلمی نسخوں سے استفادہ کیا ہے۔ متعدد حج بھی کیے ہیں۔ کابل، بغداد، سلمان پاک، نجف اشرف، کربلائے معلیٰ وغیرہ میں بھی حاضر ہوئے ہیں۔ پھر اسلاف کرام میں بعض ایسے بزرگ بھی ہوئے ہیں جنھوں نے کئی کئی حج پیدل کیے تھے۔ اس لیے مجھے بھی سفر کرنے کا جذبہ ورثے میں ملا ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے سفر اور پھر کئی حج کی سعادت بھی نصیب ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جس قدر شکر کروں، کم ہے۔ بہر حال یہ سفرنامے اسی جذبے کے تحت پیش کیے جارہے ہیں تاکہ میرے لیے باعث عبرت اور قارئین کے لیے موجب آگاہی ہوسکیں۔ والعلم عند اللہ۔

حافظ منیر احمد خان

میری ڈائری کے چند اوراق

اور میرے سفر نامے

علی گڑھ سے آگرہ کئی مرتبہ ریل سے جا چکا تھا۔ اب خیال ہوا کہ سائیکل پر جاؤں۔ ممتاز علی اور صالح بھائی کو ساتھ لے کر ۹ نومبر ۱۹۳۵ء کو ½ ۱۱ بجے رات ہم لوگ روانہ ہوئے۔ ۵۳ میل کا سفر طے کر کے علی الصباح آگرہ پہنچے۔ اعتماد الدولہ کے مزار کے قریب مسجد میں فجر کی نماز پڑھی۔ بمبئی ستارہ ہوٹل کے کمرے میں قیام کیا۔ ½ ۳ بجے سکندرہ گئے۔ رات کو تاج محل دیکھا۔ دوسرے دن صبح کو فتح پور سیکری گئے۔ واپس ہو کر آگرہ سے پھر رات کو روانہ ہوئے اور ۱۲ نومبر کو علی الصباح علی گڑھ آ گئے۔

---

۲۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو سہسرام (بہار) کے ایک نوجوان سید شاہ سبحان احمد، علی گڑھ سے گزر رہے تھے۔ وہ رات کو ہر پانچ قدم پر دو رکعت نفل ادا کرتے ہوئے حج کو جا رہے تھے۔ دن کو آرام کرتے تھے۔ بھائی عبدالحمید جالندھری کے ساتھ اُن سے ملنے کے لیے راقم الحروف گیا۔ انھوں نے میری ڈائری پر یہ مصرع لکھ دیا:-

ع جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

سہ شنبہ ۲۸ اپریل ۱۹۳۶ء کو مصر کے سلطان فواد کا انتقال ہوا۔ وہ مصر کے انگریزوں کو نکالنا چاہتے تھے۔ دین کے حامی تھے۔

علی گڑھ سے وطن کو رخصت ہونے لگا تو یکم مئی ۱۹۳۶ء کو قاری ضیاء الدین احمد صاحبؒ نے میری ڈائری پر یہ نصیحت لکھ دی:-

بعد حمد و صلوٰۃ، احقر ضیاء الدین احمد غفرلہٗ عرض کرتا ہے کہ اللہ پاک سے ہمیشہ

ڈرتے رہیں اور اُس کے احکام دل وجان سے بجالاتے رہیں ـــــ اور اُس سے ہمیشہ اچھی امید رکھیں ـ فقط ـ

۳ر جون سنہ ۱۹۳۶ء کو ایم اے (اردو) اور ایل ایل بی کا نتیجہ شایع ہُوا ـ

۱۴ر جون سنہ ۱۹۳۶ء کو ایم اے (فارسی) کے استاد لفٹننٹ حاجی حمید الدین صاحب نے لکھا کہ تم وکالت کرو، اور سیاست میں حصّہ لو ـ

۱۶ر جون سنہ ۱۹۳۶ء کو میں اپنے بچپن کے دوست ڈاکٹر سید محمد سعید کے ساتھ منڈلہ گیا ـ وہاں میری ہمشیر صاحبہ رہتی تھیں ـ

۱۰ر جولائی سنہ ۱۹۳۶ء کو پردادی سکینہ صاحبہ کی خواب میں زیارت ہوئی ـ

---

۲۶ ستمبر سنہ ۱۹۳۶ء کو جبل پور میں ہمشیر صاحبہ کے خُسر باقر علی صاحب کا انتقال ہُوا ـ

۱۴ر اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ء (چہارشنبہ ۲۷ رجب سنہ ۱۳۵۵ھ) کو قبلہ ماموں عبدالمجید خان صاحب کے یہاں میری شادی ہوئی ـ

بڑے بھائی نذیر احمد خان نے پہلا حج غالباً سنہ ۱۹۳۱ء میں کیا تھا اور دوسرا حج والدہ صاحبہ کے ساتھ ۱۹۳۴ء میں کیا تھا ـ

شب دوشنبہ ۲۵ر جنوری سنہ ۱۹۳۷ء کو قبلہ بھائی اکرام حسین صاحب کی اہلیہ صاحبہ (مکرّم حسین کی والدہ) کا جبل پور میں انتقال ہُوا ـ

۱۵ر جولائی ۱۹۳۷ء کو پبلک سروس کمیشن نے کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی (برار) میں مجھے اردو کا استاد مقرر کیا۔

۱۵ر مئی ۱۹۳۸ء کو علی گڑھ گیا۔ پھر ۲۱ر مئی کو بھائی عبدالحمید صاحب (محلہ سید کبیر) سے ملنے جالندھر گیا۔ راستے میں سرہند شریف کے اسٹیشن پر میرے دل کی عجیب کیفیت ہوگئی۔ جی چاہتا تھا کہ ڈبے میں سے چھلانگ لگا کر مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مزار شریف پر پہنچ جاؤں۔ واپسی میں علی گڑھ ہوتا ہوا ۲ر جون کو جبل پور پہنچا۔

۱۲ر اکتوبر ۱۹۳۸ء کو جبل پور سے روانہ ہو کر علی گڑھ ہوتا ہوا چھرّا کے راستے سے حبیب گنج پہنچا۔ وہاں نواب حبیب الرحمٰن خان شروانی صاحب کا کتب خانہ دیکھا۔ چار دن کے بعد بریلی پہنچا۔ وہاں سید محمد صاحب کے یہاں ایک دن رہ کر رام پور گیا۔ مولانا امتیاز علی عرشی صاحب کے یہاں تین دن قیام کیا اور نواب صاحب کا کتب خانہ دیکھا۔

قبلہ والدہ صاحبہ، بڑے بھائی صاحب، بڑی بھاوج صاحبہ، ہمشیر صاحبہ اور اُن کا بچہ محمود علی امراؤتی سے ۱۹ر دسمبر ۱۹۳۸ء کو حج کے لئے روانہ ہوئے۔ (بھائی صاحب کا یہ تیسرا حج تھا بعد میں پاکستان میں مزید دو حج کیے)

چہارشنبہ ۱۹۔ اپریل ۱۹۳۹ء (۲۸ صفر ۱۳۵۸ھ) کو ہمارے چچا اکبر خان صاحب کا پناگر (جبل پور) میں انتقال ہوا۔

۲۵ر اپریل ۱۹۳۹ء کو بچپن کے دوست ڈاکٹر سید محمد سعید کے ساتھ حیدر آباد (دکن) گیا۔ وہاں آصفیہ لائبریری۔ یونی ورسٹی لائبریری اور دفتر دیوانی و مال کا کتب خانہ دیکھا۔ نواب فصاحت یار جنگ جلیلؔ سے بھی ملاقات کی۔ وہیں میرے استاد بھائی قاری ابرار احمد صاحب (عرف اظہر) سے ملاقاتیں رہیں۔ محلہ سلطان پورہ میں تھے

۳۰ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کو الٰہ آباد گیا اور محترم ڈاکٹر عبدالستار صدیقی (۲۲۔ الف۔ میور روڈ) کے یہاں قیام کیا۔ دوسرے دن پٹنہ گیا اور وہاں خدا بخش لائبریری میں ایک ہفتہ

مطالعہ کیا۔ بمبئی سے پروفیسر نجیب اشرف ندوی صاحب پٹنہ آئے ہوئے تھے۔ مولانا مسعود عالم ندوی صاحب نے اُن کے ساتھ مجھے بھی اِفطار میں مدعو کیا۔

---

۲۵ دسمبر ۱۹۳۹ء کو بمبئی گیا۔ اور ایک ہفتہ قیام کیا۔ جامع مسجد لائبریری، کاما پارسی لائبریری اور یونی ورسٹی لائبریری دیکھی۔ جامع مسجد لائبریری میں فارسی کے مخطوطات بھی ہیں۔ ولی کا اردو دیوان بھی ہے جس میں اُن کی وفات سے متعلق ایک قطعۂ تاریخ ہے جس سے ۱۱۱۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ اردو مخطوطات خاصی تعداد میں ہیں۔ کاما پارسی لائبریری میں قدیم فارسی مخطوطات بہت ہیں۔

---

۸ مئی ۱۹۴۰ء کو جبل پور سے ستنا گیا۔ تین گھنٹے لگے۔ کرایہ ڈھائی روپیہ تھا۔ وہاں سے ۳۱ میل پر ریواں ریاست ہے۔ بس میں چار گھنٹے لگے۔ پروفیسر اختر حسین نظامی صاحب کے یہاں تین دن قیام کیا۔ وہاں مولانا رحمٰن علی مرحوم (تذکرہ علمائے ہند کے مصنف) کا کتب خانہ دیکھا۔ وہاں مولانا شبلی کا ایک نایاب مکتوب ملا۔ رنگین کی مثنویاں بھی تھیں۔ وہاں سے واپس ستنا آیا اور الٰہ آباد ہوتا ہوا لکھنؤ پہنچا۔ وہاں ندوۃ العلماء (دارالعلوم) کے مہمان خانے میں بہت آرام سے قیام کیا۔ وہاں کا کتب خانہ دیکھا اور یونی ورسٹی لائبریری بھی دیکھی۔ وہاں کچھ زیادہ کارآمد مخطوطات نہیں تھے۔ امیر الدولہ پبلک لائبریری میں بھی مخطوطات کم تھے۔ پھر میرے بڑے ماموں مولانا عبدالمجید خان صاحب کے دوست مولانا محمود علی خان صاحب کے بھائی مولوی غفور محمد صاحب سے ملاقات کی۔ وہ قندھاری بازار کی سعادت منزل میں رہتے تھے (بعد میں کراچی آگئے تھے)۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی صاحب (دین دیال روڈ متصل وکٹوریہ روڈ) کا کتب خانہ بھی دیکھا۔ ان کے پاس اچھا ذخیرہ تھا۔ ۱۵ مئی کو لکھنؤ سے ۹ میل کے فاصلے پر کاکوری گیا۔ خانقاہِ قلندریہ کا کتب خانہ دیکھا۔ وہاں مطبوعات ہیں۔ خانقاہ میں ہر موسم میں اور ہر وقت ماش کی دال اور روٹی سے تواضع ہوتی ہے۔ وہاں سے اسی شب لکھنؤ آیا اور الٰہ آباد ہوتا ہوا ۱۷ مئی کو جبل پور پہنچا۔

---

۲۷ ستمبر ۱۹۴۰ء کو امراؤتی سے بھوپال روانہ ہوا۔ وہاں ارشاد حسین صاحب اور اُن کے بھانجے ظفرالدین صاحب کے یہاں محلّہ شاہ جہاں آباد میں قیام کیا۔ حمیدیہ لائبریری میں قلمی کتابوں کا اچھا ذخیرہ ہے۔ بعض مخطوطات بہت اہم ہیں۔ انتخاب دواوین شعرائے متقدمین (نمبر ۳) اچھا مخطوطہ ہے۔ بھوپال کے پیر دروازہ میں ایک ضعیف العمر بزرگ کے پاس مخطوطات کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ ولی کا ایک قلمی دیوان اور افضل کی بکٹ کہانی (بارہ ماسا) خریدی۔ وہاں سے یکم اکتوبر کو واپس ہوا اور کھنڈوا میں مقبول حسن نیازی صاحب (املی پورہ) کے یہاں رات کو قیام کیا اور دوسرے دن اُن کے ساتھ برہان پور گیا۔ وہاں محلّہ اتوارا میں مولانا سید مطیع اللہ راشد صاحب کے یہاں قلمی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا۔ پھر رات کی گاڑی سے بھساول ہوتا ہوا ۳ اکتوبر کو امراؤتی واپس پہنچا۔

---

۲۶ دسمبر ۱۹۴۰ء کو امراؤتی سے بمبئی کو روانہ ہوا۔ کاما لائبریری ۲۷ دسمبر کو دیکھی۔ دوسرے دن وہاں سے پونا گیا۔ وہاں ۹ بجے رات کو کل ہند مسلم تعلیمی کانفرنس کا افتتاح بمبئی کے گورنر نے کیا۔ نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمن خان شروانی صاحب نے مجھے اپنے پاس کیمپ کے علاقے میں (بنگلہ نمبر ۱۰۸۔ کورے گاؤں پارک) ٹھہرایا۔ میرے لیے وہ دو قلمی کتابیں حبیب گنج سے لے کر آئے تھے۔ اس کانفرنس میں بنگال کے فضل الحق۔ اور حیدرآباد (دکن) کے نواب کمال یار جنگ اور بہادر یار جنگ وغیرہ نے شرکت کی۔ میں نے بھی ایک مقالہ پڑھا۔

بھائی عبدالحمید صاحب کابل سے جالندھر آئے۔ پھر فروری ۱۹۴۱ء کے آخری ہفتے میں امراؤتی آئے۔ ۲۸ فروری کو میری ڈائری میں رومی کا یہ شعر لکھا ہے

پیشِ عاشق ایں بود حب الوطن   مسکنِ یار است و شہرِ شاہِ من

چہارشنبہ ۲۳ اپریل ۱۹۴۱ء کو جبل پور سے اٹارسی پہنچا۔ وہاں بھائی عبدالحمید صاحب ناگ پور یونی ورسٹی کے ایم اے (فارسی) کے امتحان سے فارغ ہو کر پہنچے تھے۔ مل گئے۔

اُن کے ساتھ دہلی آیا۔ وہ دوسری گاڑی سے جالندھر چلے گئے۔ میں سیدھا لاہور (براہ بھٹنڈا) ۲۴؍اپریل کو پہنچا۔ جبل پور سے اٹارسی، دہلی، بھٹنڈا کے راستے سے لاہور کا فاصلہ ۹۴۸ میل ہے۔ ۱۶ روپیہ ۳ آنے کرایہ تھا۔ لاہور میں نیلا گنبد کے قریب نور محل ہوٹل میں قیام کیا۔ پرنسپل محمد شفیع صاحب، ڈاکٹر محمد اقبال صاحب اور پروفیسر حافظ محمود شیرانی صاحب سے ملاقات کی۔ شیرانی صاحب کے مکان پر نادر سکّے اور مخطوطات دیکھے۔ ۲۵؍اپریل کو بھائی عبدالحمید صاحب کابل جانے کے لیے لاہور سے گزرے۔ اُن سے ملاقات کی۔ لاہور میں پبلک لائبریری کے مخطوطات بھی دیکھے۔ ۲۸؍اپریل کو لاہور سے جالندھر گیا۔ اسی شام کو دہلی روانہ ہوا۔ وہاں سے علی گڑھ گیا۔ پھر ۳۰؍اپریل کو دوسری بار حبیب گنج گیا۔ نواب صدر یار جنگ حسب معمول بہت شفقت سے پیش آئے۔ یکم مئی کو وہاں سے علی گڑھ واپس اور دوسرے دن وہاں سے جبل پور کے لیے روانہ ہوا۔

عجیب اتفاق ہے کہ علی گڑھ کے چار بزرگ تھوڑے تھوڑے وقفے سے اللہ کو پیارے ہوئے۔ (۱) مولانا سلیمان اشرف صاحب۔ سہ شنبہ ۵ ربیع الاوّل سنہ ۱۳۵۸ھ (۲۵؍اپریل سنہ ۱۹۳۹ء) (۲) مولانا احسن مارہروی صاحب۔ پیٹھ میں سرطان ہو گیا تھا۔ جمعہ ۷؍رجب سنہ ۱۳۵۹ھ (۳۰؍اگست سنہ ۱۹۴۰ء) مارہرہ (ضلع ایٹہ) میں دفن ہوئے۔ (۳) مولانا ابوبکر محمد شیث جونپوری (ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی)۔ ناک کے بال اکھاڑنے سے سرطان ہو گیا تھا۔ پنج شنبہ ۲۳ شعبان سنہ ۱۳۵۹ھ (۲۶؍دسمبر سنہ ۱۹۴۰ء)۔ جونپور میں دفن ہوئے۔ (۴) مرزا ابراہیم بیگ (ہفت روزہ سرگذشت علی گڑھ کے ایڈیٹر)۔ شنبہ ۱۰ ذی قعدہ سنہ ۱۳۶۰ھ (۲۹ نومبر سنہ ۱۹۴۱ء)۔

حضرت استاذ الہند قاری ضیاء الدین احمد صاحب الٰہ آبادی علیہ الرحمہ نے میری طالب علمی کے زمانے میں فرمایا تھا کہ انشاء اللہ تم کو شاطبی شریف پڑھاؤں گا۔ صرف اس وعدے کا پاس کرتے ہوئے ایک ہزار میل کا سفر۔ قریب ستّر سال کی عمر میں تن تنہا اختیار کیا۔

اور کئی جگہ گاڑی بدلتے ہوئے اتوار ۲۴ / اگست ۱۹۴۱ء کو امراؤتی تشریف لائے اور پندرہ دن تک ہر فرصت میں شاطبی شریف کی تکمیل کرائی۔ ۶ ستمبر کو واپس تشریف لے گئے میں اُن کو ناگ پور تک پہنچانے گیا۔

شنبہ ۸ مئی ۱۹۴۳ء کو قبلہ والدہ صاحبہ کے ساتھ جبل پور سے ۸ بجے رات کو جاورہ کے لیے روانہ ہوا۔ رات کو ۳ بجے کھنڈوا سے دوسری گاڑی میں ۵ بجے سہ پہر جاورہ پہنچا۔ قبلہ ماموں عبدالعزیز خان صاحب کے یہاں پٹھان ٹولی میں قیام کیا۔ وہاں سے چھوٹے ماموں عبدالقدوس خان صاحب کے ساتھ ۱۷ مئی کو اجمیر شریف حاضر ہوا۔ وہاں میری گناہ گار آنکھوں نے جو کچھ دیکھا وہ بیان سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ درگاہ شریف کی حاضری کے بعد تارا گڑھ بھی گیا۔ اجمیر شریف سے رات کو ½۱۰ بجے کی گاڑی سے واپسی ہوئی۔ جاورہ ایک بجے دن کو پہنچا۔ ۲۱ / مئی کو جاورہ سے ۱۲ بجے دن کو واپسی ہوئی کھنڈوا ہوتے ہوئے دوسرے دن جبل پور پہنچا۔ جاورہ میں انتظام الدین صاحب ٹیچر تھے اور ضامن علی صاحب PUBLIC PROSECUTOR تھے۔ اُن کے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا۔

۱۱ / جون ۱۹۴۵ء کو اپنے بچپن کے دوست محمد یوسف کے ساتھ جبل پور سے الہ آباد کو روانہ ہوا۔ وہاں سے پارسل ایکسپریس میں بیٹھ کر دوسرے دن علی گڑھ پہنچا۔ ۱۶ جون کو میرٹھ ہوتا ہوا مظفر نگر دوسرے دن پہنچا۔ استاذی مولانا احسن مارہروی کی یاد میں وہاں مشاعرہ تھا۔ اُن کے استاد بھائی اختر نگینوی تشریف لائے تھے۔ نواب محشر (لوہارو) احسان دانش، ابر گنوری، صدیق، نازک، رعنا رسول پوری وغیرہ نے شرکت کی۔ بھائی صغیر احسنی

۵۱ جون ۱۹۹۵ء

نے اچھا انتظام کیا۔ ۱۸ جون کو ہم لوگ دیوبند گئے۔ وہاں کا کتب خانہ دیکھا۔ پھر سہارن پور گئے۔ دوسرے دن رڑکی اور وہاں سے کلیر شریف میں حاضری دی۔ سہ پہر کو وہاں سے پھر رڑکی گئے۔ پھر ۳۲ میل بس میں بیٹھ کر مظفر نگر واپس پہنچے اور میرٹھ ہوتے ہوئے ۲۰ / جون کو علی گڑھ پہنچے۔ ۲۴ / جون کو وہاں سے آگرہ گئے۔ تاج محل، قلعہ اعتماد الدولہ وغیرہ کے مزارات دیکھتے ہوئے آگرہ کینٹ اسٹیشن سے اٹارسی کے لیے روانہ ہوئے — اور ۲۶ جون

کو جبل پور واپس ہوئے۔

۲۳ر اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء کو اپنے بچپن کے دوست ڈاکٹر سید محمد سعید کے ساتھ امراؤتی سے ۱۰ بجے دن کو بس سے ۴۴ میل کے فاصلے پر باسم پہنچے۔ وہاں عارف الرحمٰن صاحب (سب جج) کے یہاں رات کو قیام کیا۔ صبح ۱۰½ بجے وہاں سے بس میں روانہ ہوکر ۱۲ میل پر کنیر گانو پہنچے۔ وہاں سے نظام دکن کی حدود شروع ہوتی تھیں۔ وہاں سے ۱۸ میل پر ہنگولی اور وہاں سے ۱۵ میل پر ناندیڑ پہنچے۔ رات کو سوا بارہ بجے وہاں سے ریل میں سکندر آباد روانہ ہوئے۔ ۲۵ر اکتوبر کو ۸½ بجے صبح وہاں پہنچے۔ دوسرے دن وہاں سے حیدر آباد (دکن) گئے۔ نام پلی اسٹیشن پر ایک مسافر خانے میں قیام کیا۔ پھر میڈیکل کالج کے اُستاد ڈاکٹر مختار حسین صاحب کے یہاں ایک دن قیام کیا۔ ۳۰ر اکتوبر کو (کتب خانوں کی سیر کرنے کے بعد) امراؤتی کو روانہ ہوئے۔

۲۲ر مئی سنہ ۱۹۴۶ء کو منجھلے بھائی عبدالرحمٰن خان صاحب کے ساتھ جبل پور سے روانہ ہوا۔ کھنڈوا، اندور، اُجین، جاورہ، اجمیر شریف، جے پور، دہلی، آگرہ، فتح پور سکری وغیرہ کی سیر کرکے ۲ر جون کو جبل پور واپسی ہوئی۔

شنبہ ۳۔ اگست سنہ ۱۹۶۸ء کو پونے ۵ بجے سہ پہر جناب نذیر صاحب کے ساتھ حیدرآباد سندھ کی عوامی گاڑی سے روانہ ہوا۔ دوسرے دن راولپنڈی ۳ بجے پہنچا۔ ریل کا کرایہ ۲۹ روپیے ۸۰ پیسے تھا۔ سونے کے لیے مزید ۵ روپیے فی سیٹ دینے پڑے۔ ۸ر اگست کو اسلام آباد میں تین دن قیام کے بعد ہم لوگ پشاور گئے۔ وہاں حضرت خواجہ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہ کے خلیفہ تھے) جن کا مزار پشاور کینٹ اسٹیشن کے قریب کچہری روڈ کے پُل کے نیچے ہے اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر اُن کے پیر بھائی مہابت خان کے مزار پر پہنچے جو پرانے قبرستان میں اپنے بھائی کے ساتھ ہیں۔ شہر میں مہابت خان کی تعمیر کرائی ہوئی مسجد میں نماز ظہر ادا کی۔ پشاور سے شنبہ ۱۰ر اگست کو بس میں روانہ ہوکر دُرگئی، بٹ خیل، چک درا ہوتے ہوئے تھانہ حضرت خیل پہنچے۔

وہاں مولانا عبداللہ فاروقی صاحب کے یہاں پہنچے۔ وہاں دو روز قیام کیا۔ پھر مولانا کے ساتھ ہم لوگ اوچ شریف (ریاست دیر) کے لیے روانہ ہوئے۔ چک ذرا (دو میل پر تھا) سے گل باد ۳½ میل۔ پھر ورسک ایک میل۔ پھر اوچ شریف ایک میل پر ہے۔ اوچ شریف میں قبلہ حکیم آغا جان صاحب اور اُن کے صاحبزادے ڈاکٹر جمیل احمد صاحب نے بڑا اکرم فرمایا۔ اُن کے جدِّ امجد حضرت مُلّا محمد نسیم صدیقی علیہ الرحمہ (جو حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے) وہاں دفن ہیں۔ اُن کے تبرکات وہاں کی جامع مسجد کے ایک گوشہ (لوز محل) میں محفوظ ہیں۔ حضرت مظہر شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے کپڑے (فرغل۔ تہمد اور وہ دھجیاں جن سے آپ کا خون پوچھا گیا تھا) وہاں محفوظ ہیں۔ اوچ شریف سے سات میل پر تالاش مقام ہے جہاں حضرت جلال الدین بُخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ وہاں بھی حاضر ہوئے۔ پھر واپس اوچ شریف سے حضرت خیل ہوتے ہوئے راولپنڈی اور وہاں سے سیالکوٹ حاضر ہوئے اور حضرت مُلّا عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یاب ہوئے۔ وہاں سے ہفتہ ۱۷ راگست کو سرگودھا گئے۔ وہاں ٹیکسٹائل مل کے مینیجر ظہور احمد صاحب کے یہاں قیام کیا۔ ۱۹ راگست کو لائل پور گئے۔ وہاں بشیر محمد بلوچ صاحب چیف انجینئر کے بنگلے پر قیام کیا۔ بھائی عبدالحمید جالندھری کے والد صاحب (عبدالحبیب صاحب) سے بھی ملاقات کی۔ پھر سہ پہر کو ہوائی جہاز سے حیدرآباد واپس آئے۔

حیدرآباد سے احمد علی میمن۔ ڈاکٹر حبیب اللہ۔ بچّل شاہ اور حاجی علیم الدین صاحب کے ساتھ راولپنڈی اور اسلام آباد ہوتا ہُوا پشاور پہنچا۔ وہاں جمعہ ۲۲ راگست سنہ ۱۹۶۹ء کو قریب ۴ بجے افغان ایرلائن کا ڈکوٹا ہوائی جہاز ملا۔ کرایہ ۷۳/- تھا اور واپسی کا ۱۳۹/-۔ لیکن اگر ایک ہفتے میں واپسی ہو جائے تو ۹۷/- میں واپسی کا ٹکٹ مل جاتا تھا۔ قریب ۴۰ منٹ میں سفر طے ہُوا۔ کابل میں جمیل ہوٹل میں قیام کیا۔ اُس وقت پاکستانی ایک روپیہ وہاں کے دس افغانی

کے برابر تھا۔ جشنِ کابل ۲۳ / اگست سے ۱۰ دن تک منعقد ہوا کرتا تھا۔ کابل میں پرانا قبرستان ہے وہاں حضرت تمیم عدوی رضی اللہ عنہ اور حضرت جُبیر انصاری رضی اللہ عنہ (دو صحابیوں) کے مزارات ساتھ ساتھ ہیں جو موجودہ بادشاہ ظاہر شاہ کے والد نادر شاہ مرحوم نے سبز سنگِ مرمر سے تعمیر کرائے تھے۔ ۴۴ھ میں یہ دونوں صحابی وہاں تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تھے اور شہید ہوئے۔ شہر میں جمیل ہوٹل سے قریب دو فرلانگ کے فاصلے پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت لیث ابن قیس رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ وہ ۸۱ھ میں شہید ہوئے تھے۔ ان کو دین کا "فاتح ثانی" اور "شاہ دو شمشیر" بھی کہتے ہیں کہ اُن کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں جب وہ کفار سے جنگ کر رہے تھے اور شہید ہوئے۔ کچھ فاصلے پر حضرت عاشقین رح اور حضرت عارفین رح کے مزارات ہیں۔ وہاں بھی حاضری دی۔ محلہ سیاہ سنگ میں حضرت عزت اللہ مجددی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ وہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں۔ اُن کا سجع ہے :- یا مجدد، عزت اللہ از تو عزت یافتہ

ایک دن بابر بادشاہ کے مزار کی طرف خود بخود بہت کشش ہوئی۔ وہ قریب دو میل کے فاصلے پر ہے۔ ان کا انتقال آگرہ میں ہوا تھا لیکن اُن کی وصیت کے مطابق کابل میں دفن کیا گیا۔ (کابل شہر کے اندر ہی سے دریائے کابل شروع ہوتا ہے)

کابل میں بہت مصروف بازار "شور بازار" کہلاتا ہے۔ وہیں نور المشائخ مُلّا "شور بازار" کا مکان ہے۔ اُن کے صاحبزادے حضرت ضیاء المشائخ مجددی مدظلہ قلعۂ جواد میں رہتے تھے۔ انھوں نے ہم لوگوں کی پُر تکلف دعوت کی۔ بہت شفقت سے پیش آئے۔ اُن کا بہت بڑا کتب خانہ ہے۔ (بعد میں اُن کے بھائی صدر المشائخ علیہ الرحمہ بھی وہاں دفن ہوئے۔ اُن کے مزار پر راقم الحروف کے اشعار لکھے ہوئے ہیں)۔

اتفاق سے اسی زمانے میں میر پور خاص (سندھ) سے مولانا محمد اسحٰق جان صاحب وہاں تشریف لے گئے تھے۔ اُن کے ساتھ پغمان (۱۳ میل پر) مولانا عبد السلام جان صاحب سرہندی کے یہاں بھی حاضری ہوئی۔ پغمان بہت خوب صورت مقام ہے۔ دو

جھیلیں ہیں۔ قرغہ بھی بہت خوب صورت مقام ہے۔ لغمان کے راستے میں حضرت خواجہ محمد پارسا علیہ الرحمہ کے خلیفہ محمد مسافر علیہ الرحمہ کا مزار ہے۔ جمعہ ۲۹ر اگست۔ ۳ بجے دن کو ہوائی جہاز سے واپسی ہوئی۔

حج و زیارت کی سعادت محض اللہ تعالیٰ کے بے حد فضل سے سنہ ۱۹۵۳ء سے بار بار حاصل ہوئی۔ ۱۸ر جنوری سنہ ۱۹۷۱ء کو عراقی ایر لائن سے بغداد شریف ہوتا ہوئے جدّہ پہنچا۔ بغداد شریف میں بیس گھنٹے کا قیام تھا۔ ہم لوگ گیارہ افراد تھے۔ سولہ گھنٹے ایک ٹیکسی میں سفر کیا۔ وہاں سب سے پہلے حضرت عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ پھر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حاضری دی۔ پھر حضرت امام موسیٰ الکاظم رضی اللہ عنہ اور انھی کے ساتھ امام تقی رضی اللہ عنہ اور انھی کے احاطے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے صوفیہ بھی ہیں۔ اس احاطے میں حنفی مدرسہ بھی ہے۔ وہاں سے قریب ۲۵ میل کے فاصلے پر مدائن شہر ہے جہاں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن کے قریب ہی حضرت حذیفہ الیمانی رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کو ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۱ھ کو دجلہ کے قریب سے لاکر آسودۂ خاک کیا گیا ہے کہ ان دونوں صحابیوں نے اپنی قبروں میں پانی آجانے کی وجہ سے عراق کے بادشاہ فیصل کو خواب میں ایسا بتایا تھا۔

وہاں سے ہم لوگ ۴ بجے صبح کو قریب سَوا سَو میل کے فاصلے پر حضرت عبّاس علمدار رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور وہیں احاطے میں فجر کی نماز پڑھی۔ پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری دی۔ نجف اشرف بھی گئے جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزار کہا جاتا ہے۔ وہاں سے واپسی پر بغداد شریف کے ہوائی اڈے پر ½ ۱۲ بجے دن کو پہنچے۔ وہاں سے جدّہ اور جدّہ سے سیدھے مدینہ منوّرہ حاضر ہوئے۔ ۷ر ذی الحجہ کو ہم لوگ مدینہ منوّرہ سے مکہ معظمہ حاضر ہوئے۔ حج جمعہ ۵ فروری کو تھا۔ ۱۲ر فروری سنہ ۱۹۷۱ء کو جدّہ سے بغداد شریف ہوتے ہوئے کراچی پہنچے۔ اس مرتبہ مدینہ منوّرہ میں مسجد قُبا کے پیچھے مسجد شمس، مسجد عرس، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

دالا باغ، خاکِ شفا کا میدان، جبل اُحد کا غار اور وہ چٹان جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے ٹیک لگانے سے گڑھا پڑ گیا تھا۔ جبل اُحد کے دوسرے شہداء۔ باب الصدّیق کے سامنے گلی میں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ، پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ اور گلی کے آخر میں حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کے یہاں حاضری دی۔

۲۷ر دسمبر ۱۹۷۲ء کو پھر شرف حاصل ہوا۔ ۲۸ر دسمبر کو جدّہ سے مدینہ منورہ کو روانگی ہوئی۔ میرے گھٹنوں کی تکلیف جو قریباً ڈھائی ماہ سے تھی راستے میں ظہر کی نماز کے وقت یک لخت ختم ہو گئی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لیے اور ساتھیوں کے لیے عرض کیا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لکھا ہوا تھا "طُوبیٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآب" ۱۳ر جنوری کو حج ہوا۔ ۲۳ر جنوری ۱۹۷۲ء کو کراچی واپسی ہوئی۔

سہ شنبہ ۸ر دسمبر ۱۹۷۴ء کو ۱۱ بجے رات روانگی ہوئی۔ تین گھنٹے میں مدینہ منوّرہ پہنچے۔ اصطفا منزل میں قیام کیا۔ جمعہ ۲۰ر دسمبر کو ہوائی جہاز سے جدّہ پہنچے۔ دوسرے دن مکہ معظمہ حاضری ہوئی۔ ۸ر ذی الحجہ کی صبح کو منیٰ روانہ ہوئے۔ حج دوسرے دن یعنی ۲۳ر دسمبر کو ہوا۔ ۲۶ر دسمبر کو مکہ معظمہ واپسی ہوئی۔ ۲۹ر دسمبر کو جدّہ اور ۳۱ر دسمبر کو وہاں سے کراچی (سوا تین گھنٹے میں) پہنچ گئے۔ (یہ میرا آخری حج ہوا۔

۸ر اگست ۱۹۷۱ء کو ہم لوگ گلگت اور ہُنزہ کے لیے روانہ ہوئے۔ لاہور میں ڈاکٹر برکت علی قریشی صاحب مرحوم کے بنگلے پر قیام کیا۔ وہاں سے راولپنڈی ہوتے ہوئے اسلام آباد پہنچے۔ ڈاکٹر ہالی پوتہ صاحب۔ اُن کے بیٹے شہاب میاں، شعور احمد فاروقی صاحب، احمد خان صاحب، محمد شریف صاحب، ڈاکٹر معصومی صاحب اور مولانا محمد اسحٰق جان سرہندی صاحب (میر پور خاص والے) کے ساتھ یہ عاجز بھی اسلام آباد

سے ہوائی جہاز میں گلگت پہنچا۔ وہاں شعور احمد صاحب کے صاحبزادے کیپٹن مشہور احمد مل گئے۔ وہ اپنے ساتھ فوجی کیمپ لے گئے۔ وہاں دوپہر کا کھانا کھایا۔ ظہر کی نماز کے بعد جیپ میں ہُنزہ روانہ ہوئے۔ راستہ صاف نہیں تھا۔ عشاء کے وقت گنیش مقام پر پہنچے۔ رات وہاں آرام کیا اور صبح کو ناشتہ کر کے شیش کٹ پہنچے۔ وہاں امیر ہنزا کا ریسٹ ہاؤس ہے۔ وہاں سواری کی دِقّت تھی اس لیے مجبوراً ایک ہفتہ رہنا پڑا اور ۱۹ راگست کو وہاں سے واپسی ہوئی۔ وہاں کا پانی بہت ثقیل ہے۔ چشمے اور ندیاں ضرور ہیں لیکن پانی اچھا نہیں۔ مردوں کے لیے مُضر ہے۔ عورتیں سب کام (گھر باہر کا) کرتی ہیں۔ کاشت صرف چھوٹے چھوٹے سیب اور آڑو کی ہوتی ہے۔ اُن کو سُکھا کر روٹی بنا لیتی ہیں۔ خوجے لوگ ہیں۔ مرد عموماً ۳۵ سال سے زیادہ زندہ نہیں رہتے۔ وہاں کے امیر کے بچازاد بھائی سردار بہادر خان نے ہم لوگوں کو چائے پر مدعو کیا۔ گُل مِت میں اُن کا قیام تھا۔ وہاں سے قریب ۹۰ میل پر چین کی سرحد خنجر آب شروع ہوتی ہے۔ سیاہ چنگ۔ (سیاچن) کا گلیشیر بھی وہاں سے چند میل کے فاصلے پر تھا۔ میں نہیں گیا۔ بعض حضرات وہاں بھی گئے۔ وہاں سے واپسی پر گلگت میں ایک رات قیام کیا۔ وہاں بھوک لگی۔ TROUT مچھلی کھائی۔ ہوائی جہاز سے ۲۲ راگست کو واپس ہوئے۔ پھر کیمبل پور ہوتے ہوئے غُرغُشتی پہنچے۔ جہاں میری ننھیال کے لوگ اب بھی موجود ہیں۔ وہاں سے کیمبل پور کے راستے سے پشاور پہنچے۔ وہاں ریلوے اسٹیشن کے قریب حضرت مُجدّدِ الف ثانی قدس سرّہ کے خلیفہ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ وہاں حاضر ہوئے۔ پھر سیالکوٹ میں حضرت مولانا عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی۔ وہاں سے لاہور ہوتے ہوئے ۲۹ راگست کو حیدر آباد پہنچے۔

شنبہ ۵ راگست ۱۹۷۲ء کو میرے ساتھ ضمیر صاحب، شریف صاحب اور مُزمّل صاحب حیدر آباد سے تیز رو گاڑی سے ۲½ بجے دن کو لاہور روانہ ہوئے۔ دوسرے دن صبح ۸½ بجے لاہور پہنچے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کے بنگلے پر قیام کیا۔ لاہور میں افتخار صاحب، بھائی عبدالحمید صاحب اور سعادت علی قریشی صاحب کے یہاں دعوت

کھائی۔ منگل کو وہاں سے راولپنڈی، پھر اسلام آباد میں قیام کیا۔ جمعرات کو وہاں سے سیالکوٹ گئے۔ حضرت عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پہ حاضری دی۔ پھر لاہور۔ پاک پٹن شریف اور ملتان کے بزرگوں کے یہاں حاضری دی اور ۱۳ / اگست کو حیدرآباد واپس آئے۔

(گولڑا شریف۔ موڑا شریف۔ بالاکوٹ۔ مظفر آباد۔
سوات۔ ایبٹ آباد وغیرہ مقامات پر بھی حاضر ہوا ہوں)

ع شب آخر گشت و افسانہ از افسانہ می خیزد (نظیری)

٭٭٭

قُلْ سِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ
(۲۰/۲۹)

سفرنامہ (علاقہ ہای شمالی)

یوں تو اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی ہر جگہ اور چپہ چپہ پر ملتی ہے۔ اور اس کی شان میں شکر ادا کیا جاتا ہے اور جتنا بھی کیا جائے کم ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت قائداعظم محمد علی جناح ؒ کے ہاتھوں پاکستان قائم کر دیا۔ یہ احسان ان کا ہم سب پر بہت بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ہم لوگوں کو اس پاکستان کے چلانے کا ڈھنگ عطا فرمائے۔ آمین

اس پاکستان کی سرزمین پر اللہ رب العزت نے کیا چیز عطا نہیں فرمائی اس کا بہت بڑا احسان ہے کہ یہاں اونچے اونچے درخت بھی ہیں، بڑے بڑے جنگل بھی ہیں، دریا بھی ہیں اور سمندر بھی، سرسبز و شاداب علاقے بھی ہیں اور نخلستان بھی، سرسبز پہاڑ بھی ہیں اور خشک بھی ہیں، معدنیات بھی ہیں، ٹھنڈے اور گرم علاقے بھی ہیں، کنوئیں بھی ہیں اور چشمے بھی۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ نہیں دیا ان سب کو دیکھنے اور ان سب کی تعریفیں کرنے کے لیے اور ہر قدم پر شکر بجا لانے کے لیے پاکستان

کے ان علاقوں کی سیاحت ضرور بضرور کرنا چاہیے، تاکہ ہمارے علاقوں کی، ثقافت، تہذیب و تمدن، رکھ رکھاؤ کے طریقے، دینی اور سیاسی مسائل اخوت اور حسنِ اخلاق کا امتزاج معلوم ہو سکے اور ان بزرگانِ دین سے جو حیات ہیں اور وہ جو اُخروی زندگی گزار رہے ہیں ان کی ملاقات ہو جائے اور ان سے رہنمائی حاصل ہو اور کچھ سبق حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان ہے کہ اس نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس سلسلے میں منتخب کیا کہ اُن علاقوں کی سیاحت کی جائے اور مفید مشورے حاصل ہو سکیں، محترمی منظور صاحب، محترمی شفیع الدین صاحب، محترمی سکندر صاحب کے ساتھ راقم الحروف سراج احمد خان ۱۸ اگست ۱۹۹۶ء کو محترمی والد (جناب ڈاکٹر پروفیسر غلام مصطفیٰ خان صاحب) کی دعائیں لے کر بعد نماز ظہر قریب ڈھائی بجے اسکردو اور گلگت کے لیے روانہ ہوئے۔

سندھ کا علاقہ تو بہت کم ایسا ہے، جہاں سبزہ نظر آئے، لیکن پھر بھی چند مقامات پر یہاں کے ہاری بھی محنت اور لگن سے کام کر رہے ہیں، جن کی وجہ سے کچھ علاقے سرسبز ہیں، لہراتے ہوئے کھیت ہیں، روئی کی کاشت بھی ہے اور گلاب تو خوب ہی ہے۔ ببول کے درخت بھی بہت پائے جاتے ہیں، گیہوں کی کاشت بھی ہو جاتی ہے، نہروں کا جال بچھا ہوا ہے۔ لوگ غریب ہیں، تعلیم کم ہے، سندھ کا علاقہ گرم تھا، ہم لوگ چونکہ اپنی خیبر گاڑی نمبر ۶۶۰ زیڈ، میں سفر پر تھے، اس لیے ایئر کنڈیشن کا استعمال بھی موقع و محل کا لحاظ رکھتے ہوئے کرتے رہے۔

گاڑی رواں دواں تھی اور ہر طرف کا ایک ہی نظر میں جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے، کہیں کہیں گاڑی کی رفتار کم بھی کرنا پڑی اور کہیں تیز رفتاری بھی دکھانی پڑی۔ اس طرح ہم لوگ سندھ کے ایک چھوٹے سے شہر "بھریا" میں قریب پانچ بجے پہنچے، یہاں چائے پی، بسکٹ کے پیکٹ خریدے اور نماز عصر باجماعت ادا کی اور یہاں سے میرپور ماتھیلو کو جہاں میری اہلیہ کے بھائی نقی احمد خاں ہیں اور ایک کمپنی پاک سعودی فرٹیلائزر میں ملازم ہیں روانہ ہوئے۔ رات کے قریب ۹ بجے گھوٹکی سے چند میل پہلے پولیس نے روک لیا کہ یہاں سے قافلے کی صورت میں جانا ہوگا کیونکہ یہاں سڑک پر آئے دن ڈکیتی ہوتی رہتی ہے۔ اس لیے احتیاط بہتر ہے، قریب ایک گھنٹہ وہاں ٹھہرے، پھر ۱۰ بجے قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے۔

قریب ۱۲ بجے ہم سب لوگ نقی احمد خان کے یہاں پہنچے، یہاں وہ پہلے ہی سے انتظار میں تھے، اس لیے کہ ان کو میرے بیٹے حافظ منیر احمد خان نے پہلے ہی حیدرآباد سے فون کے ذریعے اطلاع کر دی تھی۔ یہاں، مچھلی، بکرے کا گوشت، بھنڈی تیار تھی، کھانے سے فارغ ہو کر نماز پڑھی، نقی میاں نے رہائش کا انتظام ایک قریبی ریسٹ ہاؤس میں کر دیا تھا، میرے دیگر ساتھی تو ریسٹ ہاؤس میں چلے گئے، میں نقی میاں کے یہاں ہی ٹھہر گیا، رات چونکہ گرمی تھی، اس لئے ہر جگہ ایرکنڈیشن اور پنکھے چل رہے تھے۔ صبح فجر کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کی، چائے پی اور ۱۹ اگست کی صبح ٦ بجے صادق آباد کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں گرمی بہت تھی بہر حال قریب ۹، ۱۰ بجے

صادق آباد پہنچے اور حضرت مولانا ادریس انصاری صاحب مدظلہ، جو حضرت مولانا عبدالغفور مدنی علیہ الرحمہ کے خلیفہ ہیں ان کی مسجد و درسگاہ میں پہنچے معلوم ہوا کہ حضرت صاحب دیر میں تشریف لائیں گے۔ اس لئے کہ حضرت کی اہلیہ صاحبہ (اماں حضور) لاہور تشریف لے جارہی ہیں۔ ہم لوگوں نے مدرسہ سے ایک طالب علم کو ساتھ لیا اور حضرت کے گھر جو مدرسہ سے قریب ہی تھا پہنچ گئے۔ بعد میں حضرت خود ہی ہم لوگوں کے ساتھ مدرسہ تشریف لے آئے یہ مدرسہ نہر کے قریب ہے اور بہت حسین منظر پیش کرتا ہے۔ مدرسہ کا ایک کمرہ حضرت کے لئے مخصوص ہے۔ وہاں ہم لوگوں کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔ بہت دعائیں دیں، چائے تیار کروائی، بسکٹ وغیرہ کھلائے ہم لوگ کیک ساتھ لے گئے تھے۔ حضرت کی خدمت میں پیش کیا، نوش فرمایا اور بہت خوش ہوئے۔ والد محترم نے خمیرہ ابریشم حکیم ارشد والا اور "شاہی" طبّی دواخانے کی بھجوائی تھی، جو اُن کی خدمت میں پیش کی، بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے، کل ہی ایک خمیرہ ختم ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی اس سے بہتر خمیرہ کا بندوبست فرما دیا، حضرت کی دعائیں لے کر ہم لوگ ملتان کے لیے روانہ ہوئے۔ وقت غالباً ۱۱ بجے کا تھا، شہر سلطان قریب ۲ بجے آیا، یہ بہاولپور کے قریب ہے۔ یہاں سے مسکین پور شریف چند میل کے فاصلے پر ہے۔ ارادہ کیا کہ یہاں دادا پیر صاحب حضرت فضل علی قریشی علیہ الرحمہ کے مزار پر فاتحہ پڑھتے ہوئے جایا جائے۔ شہر سلطان

سے مسکین پور کا راستہ بہت کچا اور ناہموار ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ دھول ہی دھول ہے قریب ۴ بجے وہاں پہنچے، حضرت کے نواسے چھوٹے صاحبزادے اور بڑے صاحبزادے (شاہ محمد صاحب اور شاہ احمد صاحب) سے ملاقات ہوئی۔ یہاں غسل کیا، مزار مبارک پر حاضری دی، صاحبزادگان نے کھجور، آم اور چائے سے ضیافت کی بعد میں عصر کی نماز جماعت سے ادا کی اور جانے کی اجازت طلب کی۔ دروازہ پر ہی حضرت مولانا حشمت علی خان سے جو مدینہ شریف میں رہتے ہیں اور کراچی سے آئے ہوئے تھے۔ ملاقات ہوئی۔ ہم لوگ ملتان کے لئے روانہ ہو گئے۔ محترمی شفیع الدین صاحب گاڑی چلا رہے تھے، مغرب کا وقت قریب تھا کہ راستہ میں ایک گدھے کا بچہ گاڑی سے ٹکرا گیا، جس سے اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی، خیر وہاں سے فارغ ہو کر ہم لوگ ملتان پہنچے، یہاں چوک گھنٹہ گھر میں پہنچ کر فٹ پاتھ کے ایک ہوٹل میں تکہ، بوٹی کھائی اور قریب ۱۱ بجے رات بشیر موہانی صاحب کے یہاں دستک دی۔ دیر کے بعد دروازہ کھلا، حضرت نے اندر بلایا، اور ان کے یہاں رات گزاری، رات ہی محترمی خالد شاہ صاحب کو جو پی آئی اے میں افسر ہیں گھر پر فون کیا، انہوں نے صبح ۲۰، تاریخ کو آنے کا وعدہ فرمایا، صبح فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد موہانی صاحب نے ناشتہ کا انتظام فرمایا، ابھی ناشتہ سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ خالد شاہ صاحب تشریف لے آئے پھر ہم لوگ ان ہی کی گاڑی میں مزارات پر حاضری دینے کے لیے روانہ ہو گئے، حضرت بہاؤ الدین زکریا کے مزار پر حاضری دی، پھر خالد شاہ صاحب

کے ساتھ نیچے کی جانب ایک اور بزرگ کے مزار پر حاضری دی۔ یہاں سے فارغ ہو کر خالد صاحب نے ایک اسٹور پر لے جا کر بسکٹ، کیک، پیٹیس اور سیون اپ سے خاطر کی، پھر وہ اپنے دفتر واقع پی آئی اے میں لے گئے۔ یہاں خالد صاحب کے احباب نے ہم لوگوں سے ملاقات کی اور دعا کی درخواست فرمائی۔ سب بہت خوش مزاج اور بااخلاق لوگ تھے قریب پون گھنٹے کے بعد ہم لوگ طاہر بیگ صاحب (جو ملتان کی ایک سیاسی جماعت سے وابستہ ہیں اور بڑے زمیندار ہیں اور شعور احمد فاروقی صاحب کے بھانجے ہیں) کے گھر پہنچے، یہاں ان کے صاحبزادے عثمان سے بھی ملاقات ہوئی۔ یہ ایک دو مرتبہ حیدر آباد آ چکے ہیں۔ بڑے دلچسپ اور بامزاح آدمی ہیں۔ برق رفتار ہیں بڑی اچھی باتیں کرتے ہیں اور خوش مزاج ہیں۔ خالد صاحب نے اپنی گاڑی یہیں چھوڑ دی اور ہم لوگ بشیر موہانی صاحب کے یہاں دوپہر کا کھانا کھانے چل دیئے۔ شام تک وہیں باتوں میں منہمک رہے اور بعد نماز عصر طاہر صاحب کی گاڑی میں جسے عثمان چلا رہے تھے ملتان کے کینٹ ایریا کے ایک بہت بڑے باغ میں گئے۔ یہاں تقریباً ایک گھنٹے تک چہل قدمی کی۔ واپس طاہر صاحب کے یہاں آئے اور خالد شاہ صاحب (جو پہلے ہی اپنی محترمہ کو فون پر مطلع کر چکے تھے کہ رات کا کھانا تیار کر لیجیے گا) کے یہاں گئے۔ وہاں بشیر موہانی صاحب، طاہر بیگ صاحب، عثمان صاحب اور ہم چاروں خالد شاہ صاحب کے ساتھ چل دیئے۔ کھانا بہت اچھا اور بہت اہتمام کے ساتھ پکایا گیا تھا۔ اللہ جزائے خیر دے۔ قریب ۱۱ بجے رات

واپس بشیر موہانی صاحب کے یہاں آ گئے۔ سب سے رخصتی کی اجازت لی۔ اور ۱۲ر اگست کی صبح کو چائے پی کر لاہور کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہاں یہ بات بتاتا چلوں کہ ملتان بھی اچھا خاصہ گرم تھا۔ زیارت گاہ پر ننگے پاؤں چلنا مشکل ہو گیا تھا۔

لاہور کے لیے ۱۲ر تاریخ کی صبح روانہ ہوئے قریب ۱۵۰ میل کی مسافت طے کی ہوگی کہ پولیس والوں نے راستہ تبدیل کروا دیا کہ بے نظیر صاحبہ تشریف لا رہی ہیں اس لیے لاہور کے لیے دوسری طرف سے جائیے۔ شکر خورے کو اور کیا چاہیے تھا۔ دل میں آرزو تھی کہ کسی طرح پاک پٹن شریف پر حضرت بابا فرید الدین شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پر حاضری ہو جائے۔ اللہ نے یہ مراد بھی پوری کر دی۔ اللہ پولیس والوں کا بھی بھلا کرے۔ یہاں قریب ۱۱ر بجے پہنچے، وضو کیا نماز شکرانہ ادا کی اور مزار شریف پر حاضری دی۔ مزار بہت اونچائی پر بنا ہوا ہے۔ مسجد بھی بہت بڑی ہے۔ وضو خانہ بنا ہوا ہے۔ پانی کی کثرت ہے۔ لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ لوگ مرادیں لے کر آتے ہیں۔ رہائش کا انتظام ہے۔ ہوٹل بھی بہت ہیں۔ ہار پھول والے بھی کثرت سے ہیں۔ سڑک پر وضو خانہ بھی بنا ہوا ہے۔ لیکن پانی نہیں ہے۔ غالباً حکومت کی طرف سے ایسا انتظام ہے۔

یہاں ایک گھنٹہ ٹھہرنے کے بعد پھر روانہ ہوئے۔ معلوم ہوا کہ راستے میں چھانگا مانگا جنگل ہے۔ خوش ہوئے کہ چلو اسے بھی دیکھتے چلیں۔ راستہ میں کھانا کھایا اور چھانگا مانگا قریب ۲½ بجے پہنچے۔ یہ بہت پُر فضا مقام

ہے، جنگل ہی جنگل، بڑے بڑے درخت دونوں جانب حسین منظر پیش کر رہے تھے، بہت بڑا پارک بنا ہوا ہے. جھیل ہے جس میں ہنس اور لطخیں پلی ہوئی ہیں، ایک طرف چڑیا گھر بنا ہوا ہے، چھوٹی سی ریل گاڑی ہے، جس میں ۲، ڈبے لگے ہیں انجن جنگل کی لکڑی کی آگ سے چلتا ہے، چھوٹا سا انجن لیکن بہت خوبصورت ہے. لوگ بہت دور دور سے اس جنگل میں سیر کے لیے آتے ہیں، گاڑی پارک کرنے کا انتظام ہے. ایک بڑی مسجد بھی بنی ہوئی ہے، یہاں نماز پڑھی اور قریب ۳ بجے دوپہر کو وہاں سے روانہ ہوئے۔

چھانگا مانگا میں جمعہ کے روز ریل کا کرایہ فی ڈبہ ڈیڑھ سو روپے کا ہے، اس میں آٹھ آدمی بیٹھ سکتے ہیں اور باقی دنوں میں کرایہ کم، قریب ۵ بجے شام لاہور پہنچ گئے. راستہ بہت اچھا تھا، درخت ہی درخت نظر آرہے تھے جس سے روح کو تازگی میسر ہو رہی تھی، عصر کی نماز داتا دربار میں با جماعت ادا کی اور پھر مزار شریف پہ حاضری دی.

یہ لکھنا بھول ہی گیا کہ چھانگا مانگا نام دو خوش نصیب ڈاکوؤں کے نام پر رکھا گیا ہے. ایک ڈاکو کا نام چھانگا اور دوسرے کا مانگا تھا یہ دونوں بھائی تھے، یہاں بیل دار کو ۲، جانور مفت رکھنے کی اجازت ہے اور وہ جنگل کی لکڑی بھی مفت استعمال کر سکتا ہے. ہائی وے اتھارٹی نے پنجاب میں ڈبل راستہ بنا دیا ہے اور بڑی حد تک مکمل ہے جہاں باقی رہ گیا ہے وہ انشاء اللہ جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا. گرمی بہت تھی. لاہور سے ۶ بجے شام اسلام آباد کے لئے روانہ ہوئے، چونکہ اسلام آباد کا فاصلہ اچھا خاصہ تھا اور رات قریب ۹ بج چکے تھے

اس لیے ساتھیوں کے مشورہ سے ہائی وے پر ایک ہوٹل میں ٹھہر گئے۔ یہاں رات کا کھانا تیار کروایا، اعلیٰ چائے بنوائی، کھانے سے فارغ ہوئے، نماز پڑھی اور چارپائی والے ہوٹل میں سو گئے۔ صبح کو پھر سفر شروع کر دیا، موسم میں تبدیلی آگئی تھی، ہوا ٹھنڈی چل رہی تھی، غالباً بارش کہیں اطراف میں ہوئی تھی،

۲۲ تاریخ کو اسلام آباد قریب ۸½ بجے جمعہ کے روز پہنچے، یہاں صبح کو ناشتہ میں نہاری روٹی کھائی اور ایک رسّا، نائلون کا خریدا کہ اگر کہیں گاڑی خراب ہو جائے تو باندھ کر لائی جاسکے۔ گاڑی میں اوپر کیریر نہیں تھا۔ اس لیے پنڈی جانا پڑا اور وہاں سے خرید کیا، سامان اوپر رکھا،

اور حسن ابدال میں پنجہ شریف جو سکھوں کی عبادت گاہ ہے وہاں پہنچے، پہلے تو گیٹ کیپر نے حیلے بہانے کیے بعد میں اجازت دے دی، اندر جا کر دیکھا تو چشمہ سے پانی نکل رہا ہے اور ایک تالاب بنا ہوا ہے۔ اس تالاب میں سکھ یاتری غسل کرتے ہیں اور ان کے عقیدہ کے مطابق ان کے گناہ دھل جاتے ہیں، دوسری جانب نیچے کی طرف خواتین کے لیے غسل کرنے کی جگہ ہے یہاں سے فارغ ہوئے اور پھر حسن ابدال میں مین روڈ پر مچھلی وغیرہ کھائی اور ہری پور ہزارہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر سب سے پہلے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے مزار پر حاضری دی، یہ ہائی وے سے (تقریباً ۱۵ کلو میٹر دور) اندر کی جانب ہے راستہ پکا ہے، موسم بہت اچھا تھا، جب مزار پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایوب خان صاحب کی بھاوج صاحبہ کا تین روز قبل انتقال ہو

گیا تھا۔ اس کی آج رسم قل ہے۔ ایوب خان صاحب کا پورا خاندان جمع تھا۔ ہم لوگوں سے احوال پوچھنے کے بعد انہوں نے بہت اصرار کیا کہ ریحانہ چلیں اور چائے پی کر جائیں۔ ان لوگوں کے اصرار کے بعد انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ریحانہ گئیں وہاں ان کے اہل خانہ سے ملاقات ہوئی۔ گوہر ایوب صاحب سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ مغرب کی نماز پڑھی اور اجازت کی درخواست کی۔

۲۳ تاریخ کو ایبٹ آباد قریب ۱۰ بجے رات پہنچے۔ ہوٹل میں رہائش کا انتظام کیا۔ ۲۵۰ روپے میں ۲ کمرے لیے۔ نماز پڑھی۔

شفیع الدین صاحب اور سکندر صاحب باہر جا کر کباب روٹی لے آئے تھے۔ وہ کھا کر چائے منگوائی۔ رات ہی کو کپڑے دھوئے اور سو گئے۔ صبح مانسہرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مانسہرہ اور ایبٹ آباد کے درمیان بہت ہی خوبصورت راستہ ہے۔ ہرے بھرے لہراتے ہوئے کھیت۔ ایوب میڈیکل کالج بھی ہے۔ راستہ میں پیچ وخم ہیں۔ لیکن بڑا دلکش ہے۔ مانسہرہ میں صبح کا ناشتہ کیا۔ پائے روٹی لیکن بہت ہی ناقص۔ پھر مانسہرہ سے ۵ا کلومیٹر دور ہمارے ساتھی علی اصغر جو پہلے کراچی میں کے ای۔ ایس۔ سی میں ملازم تھے ریٹائرڈ ہو کر اپنے گاؤں جبکاری میں اپنے والدین کی خدمت کر رہے ہیں ان کا گاؤں دیکھا بہت حسین ہے۔

چاروں طرف ہری بھری پہاڑیاں ہیں لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ بارانی علاقہ ہے۔ چشمے ہیں لیکن ذرا فاصلے پر۔ قدرتی مناظر بہت ہیں۔ موسم گرم تھا۔ لوگ پڑھے لکھے ہیں۔ صفائی کا بہت اچھا انتظام ہے حسین جگہ ہے۔ لوگ خوبصورت ہیں تندرست ہیں اور محنتی ہیں۔ راستہ میں پیچ وخم ہیں اور کچا ہے۔ یہاں قریب

۱۱ بجے دن کو پہنچے۔ یہاں علی اصغر صاحب کے صاحبزادے یاسر محمود باہر ہی کھیل رہے تھے اور ان کے استاد جناب قاری حافظ جاوید صاحب اپنے مکان کے پاس کھڑے تھے۔ میں نے آواز دی دوڑتے ہوئے تشریف لائے اور گاڑی سے سامان اتار کر اپنے گھر لے گئے۔ علی اصغر صاحب کسی دوسرے محلہ میں گئے ہوئے تھے۔ ان کو بلایا گیا۔ اس کے بعد خیریت دریافت کی نماز جمعہ کے لیے روانہ ہوئے اور بعد نماز کھانا کھایا۔ آرام کیا۔ شام کو ٹہلنے کے لیے نکلے۔ رات عشاء کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا اور سو گئے۔ دوسرے روز علی اصغر صاحب کے ساتھ دریا کی طرف گاڑی میں گئے۔ جو ان کے گھر سے ۱۰ کلو میٹر دور ہے۔ وہاں خوب نہایا خشک میوہ اور ٹافیاں ساتھ تھیں کھائیں اور قریب ۲ گھنٹے وہاں مقیم رہے دوپہر کو پھر علی اصغر صاحب کے یہاں کھانا کھایا۔ رات کا کھانا جاوید صاحب نے کھلایا اور بڑا تکلف فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سب کو خوش رکھے۔ جاوید صاحب ماشاء اللہ بہت متقی اور پرہیزگار ہیں۔ دینی خدمت کے ساتھ ساتھ دنیوی خدمات بھی بہت کر رہے ہیں۔ ایک مدرسہ میں مدرس ہیں اور مسجد میں بچوں کو دینی تعلیم دیتے ہیں اور حافظ بنا رہے ہیں۔ اپنی تنخواہ کا زیادہ حصہ مسجد پر خرچ کر دیتے ہیں۔ بہت خاموش طبع ہیں کم گو ہیں کچھ پوچھ لیا تو جواب دے دیا ورنہ خاموشی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات میں اضافہ فرمائے۔ آمین۔

اتوار ۲۵ اگست علی اصغر صاحب سے صبح کو اجازت لی۔ علی اصغر صاحب اور یاسر محمود صاحب بھی ہم لوگوں کو وداع کرنے کے لئے مانسہرہ تک آئے یہاں سے ہم لوگ بشام اور گلگت کے لیے روانہ ہوئے۔ مانسہرہ سے تھوڑے فاصلہ

پر ایک جنگل منگل ہوٹل میں چائے پی، یہ علاقہ بھی بہت خوبصورت ہے۔ راستہ میں ٹریفک بھی زیادہ نہیں، پیچ وخم راستے ہیں، پہاڑیاں سرسبز، بڑے اونچے درخت لوگوں کا رنگ صاف، خوبصورت، لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول حسین منظر موسم میں تھوڑی سی تبدیلی اور خنکی اونچے اونچے پہاڑ اور سرسبز، ہمارا قافلہ رواں دواں بشام کے راستے میں اُن شہدا کے مزار اور جگہیں بھی ملیں، جو راستہ بناتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ بشام قریب ایک بجے پہنچے، ہوٹل میں کھانا کھایا، نماز پڑھی اور گلگت کا راستہ اختیار کیا اب یہاں دریا، پہاڑ اور سڑک ایک دوسرے کا مقابلہ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ دریا ایسا کہ ہزاروں من مٹی اور سینکڑوں من پتھر اپنے ساتھ بہا کر لاتا ہے۔ پہاڑ ایسے بلند کہ خوف آتا ہے کہ اب گرے۔ کہیں پتھر کے پہاڑ ہیں تو کہیں صرف مٹی کے۔ تمام کے تمام پہاڑ خشک ہیں اور کسی وقت بھی سڑک پر آ گرتے ہیں، سڑک تنگ ہو جاتی ہے۔ ملٹری والے کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ راستہ میں جگہ جگہ چشمے ہیں، دریا کا پانی بہت میلا اور گدلا ہے لوگ چشمہ کے پانی سے اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں، چونکہ گاڑی چلاتے ہوئے بہت وقت گزر چکا تھا اور رات کے قریب ۷ بج چکے تھے اور گلگت قریب ۲۰۰ میل دور تھا، اس لئے کچھ وقت اور گاڑی چلائی کہ راستہ میں چیلاش آئے گا وہاں رک جائیں گے لیکن رات کے اندھیرے میں وہ چھوٹا سا شہر نگاہ سے اوجھل ہو گیا اور ہم لوگ بہت دور آگے نکل گئے۔ راستہ میں ملٹری والوں نے مدد کی اور کہا ایک گھنٹہ کی مسافت کے بعد آپ جلکوٹ میں رک جائیے، وہاں حاجی خان کے ہوٹل میں رات قیام کیا، حاجی خان نے بھنڈی بڑی مزے دار بنائی تھی، پھر گوشت بھی کھایا۔

عشار کی نماز رات ۱۰ بجے پڑھی اور وہیں ہوٹل میں ٹھہر گئے۔ صبح نماز پڑھی چائے پی اور ۲۶ تاریخ کو گلگت کے لیئے روانہ ہوئے۔ چلکوٹ میں ہلکی سردی تھی لیکن گلگت کے راستے میں گرمی تھی۔ گلگت تقریباً ۱۰ بجے صبح پہنچے۔ یہاں ایک بڑی جامع مسجد تعمیر ہو رہی ہے۔ وہاں وضو کیا نماز پڑھی اور ہوٹل کی تلاش میں نکلے گلگت بہت خوبصورت، سڑکیں صاف ستھری۔ لوگ حسین اور زیادہ تر چین سے آئے ہوئے ہیں۔ جو کاروبار کرتے ہیں۔ زیادہ آبادی سنی اور شیعوں پر مشتمل ہے۔

ہوٹل بہت ہیں۔ جگہ جگہ دوکانیں ہیں۔ جن میں مختلف قسم کا سامان ملتا ہے۔ قریب ہی دریا ہے اور اس دریا کے ساتھ بچوں کی تفریح کے لیئے باغ ہے۔ دریا میں یخ پانی ہے۔ لوگ سیون اپ کی بوتلیں اس میں ڈال دیتے ہیں کہ ٹھنڈی ہو جائیں۔

ہم لوگوں نے ہوٹل کا شغر کرایہ ۲۵۰ روپے میں لیا۔ وہاں حبیب بینک والوں کے پاس چائے پی۔ انہوں نے مفید مشوروں سے نوازا۔ اور کہا کہ اسکردو آپ لوگ اپنی گاڑی میں ہرگز نہ جایئے گا۔ کیونکہ اسکردو کا راستہ تنگ اور پتلا ہونے کے ساتھ ساتھ کچا بھی ہے۔ گاڑی یہیں میرے پاس یا ہوٹل میں کھڑی کر جایئے گا

۲۷ تاریخ کو ہم لوگوں نے گلگت میں ایئرپورٹ دیکھا۔ یہاں سمیع اللہ خان چوکیدار نے تعاون کیا وہ اوپر کنٹرول ٹاور لے گئے یہاں عظمت اللہ خاں صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ان سے ۱۰ منٹ ملاقات اور معلومات حاصل کرنے کے بعد باہر ہوٹل میں چائے پی۔ یہاں معلوم ہوا کہ پنڈی سے گلگت ہوائی جہاز آتا اور جاتا ہے لیکن اسکردو یہاں سے نہیں جاتا اور نہ وہاں سے آتا ہے۔ گلگت میں مہنگائی بہت ہے۔ بھنڈی ۱۶ روپے، گرما ۱۸ روپے، انگور ۲۴ روپے کلو

انڈے مشکل سے ملتے ہیں، زیادہ تر مرغی لیئر کی ہوتی ہے دودھ بالکل نہیں ملتا۔ بلکہ پنڈی یا لاہور سے ملک پیک کے ڈبے آتے ہیں اور ہر جگہ ان ڈبوں ہی کا دودھ استعمال ہوتا ہے۔ شیعہ، سنی فساد عموماً ہوجاتا ہے، یہاں ہم لوگوں کے سفر میں کپڑے خراب ہوگئے تھے۔ لانڈری میں دھونے کے لیے دیے، فی جوڑی ۱۸/- روپے اور استری ۱۵/- روپے ہیں۔

تیسرے روز ہم لوگوں نے ہوٹل والوں سے یہ کہہ کر کہ ہم لوگ اسکردو جا رہے ہیں، گاڑی کا خیال رکھنا اور ناٹکو کی بس میں ۲۸ تاریخ کی صبح ۶ بجے روانہ ہو گئے، کرایہ فی کس ۹۰/- روپے تھا یہ راستہ انتہائی دشوار گزار۔ تنگ اور کچا تھا۔ ایک وقت میں ایک ہی گاڑی گزر سکتی ہے اور پیچ وخم بہت ہیں اور خطرناک ہیں، ڈرائیور راستے میں مسافر اٹھاتے رہے اور بٹھاتے رہے۔ جگہ جگہ ملٹری والے سڑک کی صفائی پر مامور ہیں۔ اس راستے میں بھی چشمے بہت ہیں، موسم گرم تھا۔ ڈرائیور نے قریب ۱۱ بجے اپنی پسند کے ہوٹل میں بس روک دی، یہاں چشمہ بہہ رہا تھا۔ منہ ہاتھ دھوئے۔ کھانا کھایا اور ایک گھنٹہ قیام کے بعد پھر روانگی ہوگئی۔ راستہ سے معلوم ہوتا تھا کہ کچھ روز قبل دریا نے اپنا کرشمہ دکھایا ہے جگہ جگہ دلدل اور پانی کھڑا تھا۔ راستہ میں اسکردو سے پہلے ایئرپورٹ بھی ہے اور یہیں اسکردو سے ۲۸ کلومیٹر دور اور ایئرپورٹ سے قریب شنگریلا جھیل بھی ہے۔ موسم گرم تھا، ہم لوگ پسینے میں شرابور تھے قریب ۲ بجے اسکردو پہنچے، سامان ہاتھ میں اٹھایا اور ہوٹل کاشغر میں ۲۷۵ روپے کا کمرہ لے کر آرام کیا۔ غسل سے فارغ ہوئے چائے پی اور شام کو چہل قدمی کے لیے روانہ ہوئے۔ کچھ فاصلے پر اسکردو

میں احمد داؤد کے تعاون سے ایک بہت بڑا مدرسہ اور مسجد تعمیر ہو رہی ہے ، وہ دیکھا ، جائزہ لیا اور مسجد دیکھی جو ہشت پہلو ہے ۔ تیار ہو رہی ہے ، ہم لوگوں نے اعتراض کیا کہ اس طرح کی تعمیر سے اگلی صفوں میں لوگوں کی تعداد کم ہوگی اور ثواب کا پہلو بھی کم ہوگا ، انجینئر صاحب نے فرمایا میں تو ان چیزوں سے واقف نہیں ہوں آپ شہر میں سیٹیلائٹ ٹاؤن میں جماعت اہل سنت کا ایک مدرسہ ہے ۔ جو اس کی نگرانی پر مامور ہیں ۔ وہاں یہ مسئلہ بتائیں ، رات ہوٹل واپس آ گئے ، کھانا وغیرہ کھایا اور دوسرے روز ۲۹ تاریخ کی فجر کے بعد مدرسہ کا رخ کیا ، جو تقریباً ۲ کلو میٹر ہماری رہائش سے تھا ، وہاں اس وقت موسم سرد تھا ، اور ہوا چل رہی تھی ، مدرسہ میں حق نواز صاحب ، قاری سعید صاحب ، حافظ محمد بشیر صاحب مفتی سرور صاحب اور دیگر قاری و حافظ صاحبان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ، مسجد کے متعلق بتایا ۔ انہوں نے بھی اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا ، بہر حال ان کے علم میں یہ بات لائی گئی ، اب وہ اس مسئلہ کو کہاں تک آگے بڑھاتے ہیں واللہ اعلم ۔ ناشتہ وغیرہ کرایا اور حق نواز صاحب نے عبدالرحمن ڈرائیور اور ایک حافظ صاحب کو مدرسہ کی جیپ میں تفریح کے لئے ہم لوگوں کے ساتھ روانہ کیا ، عبدالرحمن نے شنگریلا جھیل دکھائی ، جو اسکردو سے ۲۸ ، کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے ، یہ جھیل بریگیڈیر محمد اسلم صاحب نے تیار کرائی تھی ، جو پہاڑوں کے دامن میں ہے ۔ اس جھیل میں مچھلیاں بھی پائی جاتی ہیں ، انتہائی خوبصورت مقام ہے ، لال رنگ کے مکانات جھیل کے چاروں طرف بنے ہوئے ہیں ، جسے ہٹ کہتے ہیں ۔ کرایہ ۵۰۰/- روپے ہے ، اس کرایہ میں ناشتہ اور کھانا بھی ہوٹل والے اپنی پسند کا دیتے ہیں ، اسی جگہ

پچھلی پہاڑی پر بہت اوپر بریگیڈیر محمد اسلم صاحب اوران کی اہلیہ کا مزار ہے۔ وہاں بھی گئے فاتحہ پڑھی اور اوپر سے جھیل کا منظر دیکھا جو بہت ہی حسین تھا۔ بہت خوبصورت ہوٹل اور لائبریری بنی ہوئی ہے، میاں بیوی کے لیے بھی انہوں نے ہٹ بنائی ہیں، جسکا کرایہ ۳۲۵۰/- روپے ہے اور کھانا الگ سے ہے، یہاں ۲ ، گھنٹے قیام کے بعد سدپارہ جھیل کی طرف چل دیے جو اسکردو سے قریب ہے لیکن راستہ انتہائی دشوار گزار، کچا اور خراب ہے۔ وہاں گاڑی چلانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، یہ جھیل قدرتی ہے، ہوٹل بنا ہوا ہے۔ کشتیاں کرائے پر چلتی ہیں، یہاں نماز عصر پڑھی چائے اور چپس کھائے اور روانہ ہو گئے۔

اسکردو میں ہوٹل میں عبدالرحمٰن نے اتارا، میں نے عبدالرحمٰن سے کہہ دیا کہ صبح جیپ لے آنا، خپلو چلنا ہے وہ حق نواز صاحب سے اجازت لیکر صبح ۷ بجے ہوٹل آگئے اور ہم لوگ خپلو کے لیے روانہ ہو گئے، یہ تقریباً ۷۴ ، کلومیٹر دور ہے۔ علاقہ سرد ہے۔ راستہ میں غول نام کی بستی ملی، معلوم ہوا کہ یہاں کے لوگ آنے جانے والوں کی داڑھیاں کاٹ دیتے تھے اور لوگوں پر پیشاب کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو بارش اور پتھروں سے نیست و نابود کر دیا، تمام مکانات بہہ گئے۔ کچھ فاصلہ پر براہ جگہ آئی یہاں چائے وغیرہ پی۔

یہاں کی مسجد اور مدرسہ دیکھا۔ یہاں کے لوگ بہت خوبصورت نیلی آنکھیں قد چھوٹے، جانوروں کے قد چھوٹے۔ بھینس بھی چھوٹے قد کی، لیکن بڑے بڑے بال، تقریباً ایک بجے خپلو پہنچے، پورا راستہ ہریالی کا اور سبز تھا موسم مناسب تھا، دوپہر کا کھانا قاری حیدر صاحب کے بھائی کے یہاں تناول کیا۔

مسجد جو تقریباً ۵۰۰ سال پرانی ہے اور لکڑی کی بنی ہوئی ہے، دیکھی اور ظہر کی نماز پڑھی۔ اس مسجد کی تعمیر میں سیّد علی ہمدانی ۷۸۳ھ، سیّد محمد نور بخش نے ۸۴۲ھ میں اور میر شمس الدّین نے ۹۱۱ھ میں حصّہ لیا۔ اس مسجد میں اوپر کے حصّے میں سُنّی اور نچلے حصّہ میں شیعہ حضرات نماز ادا کرتے ہیں۔ بعد میں قریب ہی اسی صدی کا ایک قلعہ ہے جو وہاں کے راجہ فتح علی خان کا ہے یہ شیعہ مسلک کے تھے لیکن بعد میں نور بخشی ہو گئے تھے، لیکن ان کی اولاد اب بھی شیعہ مسلک میں ہے تقریباً ۴ بجے یہاں سے رخصت ہو کر واپس اسکردو کی طرف سفر کیا، راستہ میں محترم قاری حید صاحب نے فرمایا کہ رات کا کھانا حق نواز صاحب کے یہاں ہے۔ مغرب کی نماز راستہ میں ادا کی، یہاں اسکردو اور اس کے نواحی علاقوں میں اہلِ حدیث کی مساجد بہت ہیں اور بہت خوبصورت ہیں دین کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔

حق نواز صاحب نے بڑی اعلیٰ دعوت کی اللہ جزائے خیر عطا فرمائے۔ عشار کی نماز وہیں مکان سے قریب مسجد میں ادا کی اور رخصت چاہی کہ اب صبح گلگت کے لیے اجازت دیں، قاری حیدر صاحب نے رات ہی کے، ٹو مسافر کوچ کا ٹکٹ فی کس ۱۳۰/- روپے میں دلوا دیا، اس طرح سفر میں آسانی ہو گئی، رات ہوٹل تک پہنچا دیا، ۱۲؍ تاریخ کی صبح ۹ بجے بس میں سوار ہوئے اور پھر اسی طرح کے پہاڑ، دریا کی بپھری ہوئی موجیں اور تنگ و خطرناک راستے طے کرتے ہوئے قریب ۴ بجے گلگت پہنچ گئے ہوٹل سے گاڑی اٹھائی، ہوا، پٹرول، پانی آئل چیک کیا اور وہیں قریب کے ہوٹل میں چاول اور گوشت کا سالن کھایا اور

ہنزہ علی آباد کے لیے روانہ ہو گئے، علی آباد قریب ۶ بجے روانہ ہوئے، راستہ بہت اچھا، خوبصورت سرسبز تھا پیچ و خم تو پہاڑی راستہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہی ہے، لیکن ہر موڑ پر شکر بجالانا پڑتا اور سورہ رحمٰن یاد آجاتی "کہ تم کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"، علی آباد تقریباً ۹۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا، رات ۹½ بجے علی آباد پہنچ گئے اور اتفاق سے یہاں بھی ہوٹل کا شعر ملا، کرایہ ۱۵۰ روپے طے ہوا، رات یہاں بسر کی۔

یکم ستمبر صبح ۶ بجے خنجراب کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ پوری سڑک چین کے تعاون سے بنی ہے۔ اس لیے چوڑی، خوبصورت ہے۔ راستہ میں زیادہ علاقے میں پہاڑیاں سرسبز تھیں، لیکن دریا کا پانی وہی گدلا تھا، ہنزہ کے علاقے میں زیادہ تر آبادی آغا خانیوں کی ہے، جن کا کوئی عقیدہ نہیں ہے، تقریباً ۱۰ بجے "سست" کے مقام پر پہنچے، یہ پاکستان کے علاقہ میں ہے، اور چین سے آنے اور جانے والوں کا کسٹم ہوتا ہے۔ یہاں تھوڑی بہت دوکانیں بھی ہیں، ہوٹل بھی ہیں، سامان سستا بھی ہے اور آدمی کو دیکھتے ہوئے گراں بھی ہے۔ "سُسْت" کے مقام پر تھوڑا آرام کر کے قریب ۱۱ بجے یہاں سے روانہ ہوئے تاکہ خنجراب جلد پہنچا جائے۔ سُسْت میں معمولی سردی تھی، خنجراب یہاں سے تقریباً ۸۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا راستے میں ایک دو چوکیوں نے روکا، پوچھا اور روانہ کر دیا۔ اب اس راستے میں پہاڑیاں خشک اور سرسبز دونوں قسم کی ملیں۔ سردی میں اضافہ ہوتا گیا، قریب ۱ بجے خنجراب پہنچے یہ سطح سمندر سے ۱۶۰۰۲ فٹ اونچائی پر ہے، چاروں طرف پہاڑیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں، برف باری ہو رہی تھی اور ہم لوگ اس سے لطف

اندوز ہو رہے تھے۔ کیا سماں تھا اور کیا منظر، سبحان اللہ کیا شانِ کریمی تھی اور کیا شانِ رحیمی۔ اللہ اللہ۔

یہاں سیکورٹی آفیسر حکیم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ یہاں صبح اور شام کو ٹمپریچر (۴۲-) ہوتا ہے۔

برف کی پہاڑیوں پر انہوں نے ہمیں بلّی کے برابر چوہے دکھلائے۔ جو برف میں کھیلتے ہیں اور غار بنا کر اسی میں رہتے ہیں اور وہیں گھاس پھوس کھاتے ہیں۔ پون گھنٹے رکنے کے بعد ہم لوگ واپس سست آ گئے۔ یہاں ظہر کی نماز پڑھی تھوڑی دیر یہاں قیام کیا اور تھوڑا بہت سامان خریدا اور قریب ۴ بجے واپس علی آباد آ گئے۔ یہاں سے حیدر آباد فون کیا والد محترم سے بات ہوئی۔ ٹیلی فون آپریٹر نے رقم نہیں لی اور دعا کے لیے درخواست کی کہ میرا بیٹا حافظ قرآن بن جائے اور میری یہی خواہش ہے۔ خدا تعالیٰ اس کی یہ مراد پوری کرے آمین۔

رات عشاء کی نماز مسجد قبا میں ادا کی اس مسجد کا افتتاح والد محترم نے قریب پچیس سال پہلے ۱۹۷۱ء میں کیا تھا۔ یہاں پیش امام حارث صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ناشتہ کے لیے صبح کا فرمایا، ہم لوگوں نے معذرت کی۔ ہوٹل میں رات قیام کیا اور ۲ تاریخ کو صبح ناشتہ کر کے کریم آباد جو علی آباد سے ۶،۷ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ گئے یہ علاقہ بھی سرسبز و شاداب ہے پڑھے لکھے لوگ ہیں، کالج ہے اسکول ہے اوپر بلندی پر قلعہ ہے جو قریب ۹۰۰ سال پرانا ہے لیکن مرمت کی وجہ سے ۱۹۹۰ء سے بند ہے۔ یہاں سے بھی چاروں طرف برف کی پہاڑیاں نظر آتی ہیں۔ ایک گھنٹہ بعد یہاں سے واپس ہوٹل آئے، سامان باندھا

ہوٹل والے سے چائے پی اور واپس شاہراہ قراقرم کی طرف چل دیے، راستہ میں چیلاش دیکھا جو انتہائی گرم تھا، ائیر کنڈیشنڈ چل رہے تھے، یہاں کی آبادی سنی حضرات پر مشتمل ہے، دوپہر کا کھانا کھایا بل قریب ۲۷۵ روپے کا بنا یہاں ایک گھنٹہ رکے اور چیلاش ہائی وے پر ظہر کی نماز ادا کی راستہ میں "پٹن" آیا، رات قریب ۹ بج چکے تھے، یہیں قیام کیا اور ۳ تاریخ کو صبح چائے پی کر شاہراہ قراقرم آ گئے۔ اور پھر بشام اور مانسہرہ کی طرف چل پڑے، راستہ میں ہوٹل جنگل منگل میں چائے پی اور حسن ابدال میں دوپہر کو مچھلی چاول کھائے، ظہر پڑھی اور پنڈی کی طرف چل دیئے، یہاں قریب ۲ گھنٹے تک رہے، شفیع الدین صاحب کے دوست آغا صاحب مل گئے ان کی دوکان پر بیٹھے انہوں نے چائے بسکٹ سے تواضع کی اور اصرار کیا کہ رات کا کھانا کھا کر جائیں، ہم لوگوں نے معذرت کی اور قریب ۶ بجے وہاں سے لاہور کے لئے چل پڑے، قریب ۹ بجے پھر اسی مقام پر آ کر ٹھہر گئے۔ جہاں آتے وقت رکے تھے، سالن تیار کروایا، نماز عشاء پڑھی اور سو گئے۔

۴ ستمبر کی صبح غسل کیا چائے پی اور پھر روانہ ہو گئے اور تمام بڑے شہروں کو بائی پاس کرتے ہوئے رات ایک پٹرول پمپ والے ہوٹل میں قیام کیا، اس ہوٹل والے نے بہترین کڑاہی گوشت تیار کیا، بستروں کے پاس پنکھے لگا دیے اور نماز سے فارغ ہو کر سو گئے، صبح اٹھے فجر پڑھی اور واپس میر پور ماتھیلو قریب ۱۱ بجے نقی میاں کے دفتر پہنچ گئے یہاں چائے بسکٹ کھائے اور اجازت لے کر روانہ ہوئے، پنجاب، اسلام آباد، ناردرن ایریا میں پولیس کا رویہ بڑا اچھا تھا، لیکن جونہی سندھ میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ پردیس میں آ گئے

ہیں، یہاں کی پولیس بڑی اعلیٰ پولیس ہے ان کی زد سے کوئی نہیں بچ سکتا اور یہ ایسے جال میں پھانستے ہیں کہ اللہ کی پناہ، یہ کچھ نہ کچھ لیے بغیر نہیں چھوڑتے ہم لوگ بھی ان کی گرفت سے نہ بچ سکے اور ۲۰۰/- روپے ادا کیے اور جان چھڑائی، سندھ کا علاقہ انتہائی گرم تھا، مٹی اڑ رہی تھی، آگے راستہ میں دو آئل ٹینکر ٹکرا گئے تھے، جس کی وجہ سے پوری سڑک پر تیل ہی تیل تھا، لوگوں نے تیل پر مٹی وغیرہ ڈال دی تھی، لیکن پھر بھی گاڑیاں آہستہ آہستہ رواں دواں تھیں، ہم لوگ قریب ۸½ بجے ۵ ستمبر بدھ کے روز حیدرآباد پہنچے، اور اس طرح سے یہ طویل سفر جو ساڑھے چھ ہزار میل کے قریب تھا طے ہوا، اس پورے

سفر میں ہم لوگوں کے ۲۴ ہزار روپے خرچ ہوئے، پٹرول قریب ۸۰۰۰/- روپے کا ۲۸۴ لیٹر خرچ ہوا، اس رقم میں ہوٹل کا خرچ، پٹرول، کھانے کا خرچ، لین دین، آئل اور گاڑی میں کیریر لگانا بھی شامل ہے۔

تجربہ اور تجزیہ

اگر فیملی کے ساتھ سفر کرنا ہے تو بشام تک سفر کریں کیونکہ آگے سوائے خشک پہاڑ اور گدلے دریا کے کچھ نہیں ہے۔ اور راستہ بھی خطرناک اور دشوار گزار ہے۔

اگر بالفرض اسکردو جانا ہے یا گلگت تو پھر پنڈی سے ہوائی جہاز پر جائیں، اسکردو اور گلگت کے درمیان فضائی راستہ نہیں ہے، پہلے تھا لیکن عرصہ سے بند کر دیا ہے

گاڑی میں اگر جانا چاہئیں تو پنڈی تک گاڑی بُک کر دیں، ٹرک والے حیدر آباد سے ۲۷۰۰، اور کراچی سے /۳۰۰۰، روپے لیتے ہیں اور چار دن میں گاڑی پہنچا دیتے ہیں۔

مانسہرہ یا ایبٹ آباد بہت ہی اعلیٰ مقامات ہیں یہاں کی خوب سیر کی جائے بلکہ ان مقامات پر چند روز ٹھہرا بھی جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سفر نامہ ۱

از حافظ منیر احمد خان

سفر برائے مسکین پور شریف - ملتان - دیر - تالاش - پنڈی - لاہور

یہ سفر ہم نو افراد (۱) ظہور صاحب (۲) عاقل صاحب (۳) سلیم صاحب (۴) فاروق صاحب (۵) خورشید صاحب (۶) ولی احمد صاحب (۷) اسلم صاحب (۸) سکندر صاحب اور (۹) عاجز نے ۱۸ مارچ سنہ ۱۹۹۰ع کو دادا ابا کی دعاؤں کے ساتھ اس سفر کا آغاز کیا۔ یہ سفر تقریباً ایک ہفتے میں مکمل ہوا۔

سفر کی تفصیل کچھ اس طرح ہے: ۱۷ مارچ بروز ہفتہ کی شب حیدر آباد سے چناب ایکسپریس سے روانہ ہوئے۔ صبح ۱۸ مارچ فجر کے وقت خان پور (اسٹیشن) اترے۔ اسٹیشن ہی پر فجر کی نماز پڑھی اور ناشتہ کیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر تانگے میں سوار ہو کر علی پور جانے کے لیے بس اسٹینڈ پہنچے۔ بس علی پور جاتے ہوئے راستے میں خراب ہو گئی، تقریباً آدھے گھنٹے کا سفر دو گھنٹے میں مکمل ہوا۔ پھر علی پور سے بس میں سوار ہو کر شہر سلطان پہنچے۔ وہیں نماز ظہر ادا کی اور کھانا کھایا۔ شہر سلطان سے ڈاٹسن پک اپ میں مسکین پور جانے کے لیے سوار ہوئے۔ یہ سفر روڈ خراب ہونے کی وجہ سے بہت خطر ناک تھا اور گاڑی میں مسافر گاڑی کی گنجائش سے کہیں زیادہ تھے۔ کچھ گاڑی کے اندر اور کچھ گاڑی کی چھت پر سوار تھے اور گاڑی اس قدر ہل رہی تھی کہ جیسے ہم کشتی میں سوار ہوں۔ خیر سے اللہ تعالیٰ نے یہ سفر بکمل کرایا۔

مسکین پور پہنچ کر نہا دھو کر کپڑے تبدیل کیے۔ عصر کی نماز ادا کی۔ مسکین پور شریف میں نقشبندیہ سلسلے کے مشہور بزرگ حضرت فضل علی

قریشی رحمتہ اللہ علیہ (م سنہ ۱۹۳۵ع) کا سالانہ عرس ہوتا ہے۔ اسی مقصد سے ہم مسکین پور گئے تھے۔ عصر کی نماز کے بعد حضرت فضل علی قریشی رح کے مزار پر حاضر ہوئے۔ تھوڑی دیر مراقبہ کیا۔ ولی احمد صاحب نے نعت شریف پڑھی۔ مراقبے کے بعد ہم لوگ حضرت علاؤالدین شاہ صاحب (شیخوپورہ) (م سنہ ۱۹۹۳ع) سے ان کے کمرے میں ملنے گئے، کمرے کے باہر ان کے مرید خاص سے ظہور بھائی نے عاجز کا تعارف کرایا تو انھوں نے فرمایا کہ اندر کچھ حضرات ہیں وہ چلے جائیں تو آپ مل لیجیے گا، تھوڑی دیر میں وہ حضرات چلے گئے تو ہمیں اندر بلوالیا، مصافحہ کیا اور پیار کیا۔ بہت ہی محبت فرمائی۔ دادا ابا سے بھی بہت محبت فرماتے تھے، ظہور بھائی نے میرا تعارف کرایا کہ یہ حافظ ہیں اور عالم کا کورس کر رہے ہیں تو حضرت علاؤالدین شاہ صاحب نے فرمایا کہ بیشک عالم کا کورس کریں لیکن جو کچھ آپ کو اپنے دادا کی جوتیوں کے صدقے ملے گا وہ کہیں نہیں ملے گا۔ سب حضرات نے حضرت علاؤالدین صاحب سے ملاقات کی۔ پھر مغرب کی نماز پڑھی اور لنگر خانے میں کھانا کھایا۔ پھر عشا کی نماز پڑھی۔ بعد نماز وعظ ہوا بعد وعظ کمرے میں سو گئے۔ سردی کا موسم ہونے کی وجہ سے کمرے میں نیچے سوکھی گھاس بچھی ہوئی تھی، بہت آرام دہ تھی اور ہم لوگ تھکے ہوئے بھی بہت زیادہ تھے۔ بہت ہی پر سکون نیند سوئے۔ یہ بتاتا چلوں کہ مزار شریف کے احاطے میں بہت سے کمرے بنے ہوئے ہیں۔ صبح جلد اٹھ کر تہجد پڑھی اور مزار شریف پر حاضری دی مراقبہ کیا۔ ولی بھائی نے نعت شریف پڑھی۔ اس کے بعد فجر کی نماز پڑھی۔ بعد نماز عبدالغفار صاحب (ہالانی) اور یوسف صاحب (لیاقت پور) ہمیں اپنی گاڑی میں مسکین پور سے حمزہ والی تک چھوڑنے گئے۔ وہاں چائے پی اتنی دیر میں حاجی عبدالغفار صاحب اور یوسف صاحب ہمارے لیے بس لے آئے۔ جس کا کرایہ یوسف صاحب نے ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو دین و دنیا کی نعمتوں سے خوب

خوب نوازے آمین ثم آمین۔ بس میں سوار ہو کر شہر سلطان و مظفر گڑھ کے راستے سے ملتان کینٹ میں واقع خورشید ہوٹل پہنچے۔ ملتان میں بشیر موہانی صاحب قیام پذیر ہیں ہوٹل کے مالک بھی انہیں جانتے تھے۔ انہوں نے موہانی صاحب کو فون کر کے ہمارے بارے میں مطلع کیا۔ تھوڑی دیر میں موہانی صاحب تشریف لے آئے۔ ان کے ساتھ ان کے گھر گئے۔ نماز ظہر ادا کی اور کھانا کھایا، کھانے سے فارغ ہو کر ٹہلتے ہوئے نشتر کالج تک گئے۔ وہاں سے رکشے میں سوار کر سہروردیہ سلسلے کے مشہور بزرگ اور حضرت شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ بہاؤالدین زکریا ملتانی اور ان کے بیٹے حضرت صدر الدین کے مزارات پر حاضر ہوئے۔ یہ دونوں مزارات ایک ساتھ ہیں اور ایک ہی عمارت میں ہیں۔ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے پوتے حضرت شاہ رکن عالم کا مزار تھوڑے فاصلے پر الگ عمارت میں ہے۔ یہ مزارات بہت زیادہ مشہور ہیں۔ ویسے ملتان کو اولیاؤں کا شہر کہا جاتا ہے۔ کثرت سے اولیاء کرام مدفون ہیں۔ رکشے والے کا تعلق اتفاق سے حیدر آباد ہی سے تھا۔ اس نے بتایا کہ یہاں ملتان میں صرف یہ بزرگان دین ہیں جس کی وجہ سے یہ شہر قائم ہے۔ ورنہ یہاں کچھ نہیں مطلب اس کا یہ تھا کہ بہت زیادہ برائیاں پھیل گئی ہیں۔ مزارات کی حاضری سے فارغ ہو کر واپس موہانی صاحب کے یہاں آ گئے۔ عصر کی نماز پڑھی، رات کا کھانا اور ٹکٹ کا بندوبست میجر صدر الدین صاحب نے کیا۔ موہانی صاحب کے یہاں سے مغرب سے پہلے اسٹیشن چلے گئے۔ وہاں مغرب کی نماز پڑھی۔ میجر صدر الدین صاحب اور اکرم صاحب اسٹیشن تک چھوڑنے آئے۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کے درجات عالیہ خوب خوب بلند فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔ ہم لوگ ملتان سے پنڈی کے لیے مغرب کے بعد روانہ ہوئے۔ ۲۰ مارچ کی صبح ساڑھے آٹھ بجے پنڈی پہنچے۔ اسٹیشن سے سوزوکی کر کے ریاست دیر کے علاقے اوچ جانے کے لئے بس کے اڈے پہنچے۔ وہیں

قریب کی مسجد میں وضووغیرہ کیا، مسجد میں ایک بڑے میاں پٹھان بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ مجھے پٹھان سمجھے تو مجھ سے پشتو میں شروع ہو گئے۔ میں بھی ہاں ہاں کرتا رہا۔ پھر ظہور بھائی نے اس پٹھان سے کہا کہ تم پٹھان ہے؟ اس نے کہاں ہاں تو ظہور بھائی نے کہا یہ بھی پٹھان ہے۔ تم اردو نہیں سمجھتا یہ پشتو نہیں سمجھتا۔ وضو سے فارغ ہو کر ناشتہ کیا۔ پھر ٹویوٹا ہائی ایس میں سوار ہو کر براستہ مردان، مالاکنڈ ہوتے ہوتے بٹ خیلہ پہنچے۔ گاڑی میں ایک عالم صاحب ملے۔ ان سے بہت باتیں ہوئیں، دادا ابا کو بھی جانتے تھے، انہوں نے اپنا کارڈ اور گھر آنے کی دعوت بھی دی تھی۔ بٹ خیلہ میں دوپہر کا کھانا کھایا اور ظہر کی نماز ادا کی، بارش بھی ہو رہی تھی۔ بٹ خیلہ سے ریاست دیر کے علاقے اوچ اور تالاش جانے کے لیے ڈاٹسن پک اپ کرائے پر لے لی۔ تالاش اوچ سے سات کلومیٹر آگے ہے۔ بٹ خیلہ سے اوچ جانے کے راستے میں چکدرہ جگہ آتی ہے چکدرہ سے دو راستے نکلتے ہیں۔ ایک سوات کو اور دوسرا ریاست دیر کو جاتا ہے۔ چکدرہ کے بعد دو ندیاں آتی ہیں۔ ان ندیوں پر پل نہیں ہے، جس کی وجہ سے ندی میں سے گاڑی گذار کر لے جانی پڑتی ہے۔ بارشوں کے موسم کی وجہ سے ندیاں بہت چڑھی ہوئی اور تیز بہہ رہی تھیں، جن میں کئی ٹرک اور گاڑیاں ڈوبی ہوئی تھیں، لیکن اللہ کا کرم اور دادا ابا کی دعائیں کہ ہماری گاڑی بآسانی نکل گئی۔ عصر کی نماز راستے میں پڑھی۔ مغرب سے کچھ پہلے تالاش پہنچے۔ تالاش میں جلال الدین رحمتہ اللہ کا مزار ہے۔ تالاش ہی میں مغرب کی نماز پڑھی تالاش سے اوچ واپسی پر موسلادھار بارش ہو رہی تھی۔ بڑے بڑے اولے بھی گر رہے تھے اور اندھیرا بھی بہت زیادہ تھا، گاڑی چلتے ہوئے سامنے راستے کا بھی پتا نہیں چل رہا تھا تو ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کا ایسا کرم اور دادا ابا کی دعاؤں کے طفیل اتنا کرم ہوا اور اللہ کے وجود میں پختہ یقین ہوا کہ جب کہیں موڑ آتا تھا تو فوراً بجلی چمکتی تھی تو راستہ نظر آتا تھا، بارش اور اولوں کے

درمیان اوچ پہنچے۔ اندھیرے میں گھر کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ بس دادا ابا کی دعائیں تھیں کہ ظہور بھائی سیدھے ڈاکٹر جمیل صاحب (مرحوم) کے گھر لے گئے۔ ظہور بھائی تین چار مرتبہ پہلے اوچ جا چکے ہیں۔ اس لیے کچھ اندازہ تھا۔ ڈاکٹر جمیل صاحب کے صاحبزادگان بڑی محبت سے ملے اور بہت خوش ہوئے اور جلدی جلدی کھانا تیار کروایا عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھایا۔ ان لوگوں نے بتایا کہ آج ہی ہم لوگ حضرت صاحب (ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان) کا ذکر کر رہے تھے کیونکہ آج امتحان میں ڈاکٹر صاحب کے مضمون نظریہ پاکستان کے حوالے سے سوالات تھے۔ دوسرا انہوں نے بتایا کہ جب حضرت صاحب اور نذیر احمد صاحب یہاں تشریف لائے تو دو کبوتر نور محل کی منڈیر پر آکر بیٹھ گئے۔ نور محل کے بارے میں بتاتا چلوں کہ یہ ایک کمرہ ہے جس میں سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ حضرت مرزا مظہر جان جانان رحمتہ اللہ علیہ کا فرغل، تہمد اور کلاہ اور وہ دھجیاں ہیں جن سے حضرت مظہر رحمتہ اللہ علیہ کا خون پونچھا گیا تھا، ایک شیشے کے فریم میں حفاظت کے ساتھ رکھے ہوئے ہیں۔ جبکہ اس علاقے میں کبوتر کا نام و نشان تک نہیں ہے اور جب تک حضرت صاحب رہے وہ کبوتر بھی بیٹھے رہے۔ جب حضرت صاحب چلے گئے تو وہ کبوتر بھی چلے گئے۔ ملا محمد نسیم صدیقی رحمتہ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جانان رحمتہ اللہ علیہ) ڈاکٹر جمیل صاحب کے خاندان کے ہیں وہ یہ کپڑے دہلی سے لائے تھے اور یہ کپڑے ایک صندوق میں بند کر کے رکھے ہوئے تھے، ان لوگوں کو معلوم نہیں تھا۔ جب دادا ابا پہنچے تو انہوں نے بتایا کہ یہ صندوق کئی سالوں سے رکھا ہوا ہے، پتا نہیں کس کے کپڑے ہیں۔ دادا ابا نے پوری رات مراقبہ کیا اور بتایا کہ یہ کپڑے حضرت مرزا مظہر جان جانان رحمتہ اللہ علیہ کے ہیں کہ اس میں انہیں شہید کیا گیا تھا اس کے علاوہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک ہے اور ہندوؤں کی لکھی ہوئی نعتیں فریم میں لٹکی ہوئی

ہیں اور ایسے پتھر بھی ہیں جن پر اللہ جل جلالہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا ہے۔ رات کو کھانا کھا کر مسجد میں ہمارے سونے کا انتظام کردیا تھا، سردی بہت زیادہ تھی اور بجلی بھی نہیں تھی۔ لیکن تھکن کی وجہ سے بہت ہی پرسکون نیند آئی۔ ۲۱ مارچ کی صبح فجر کی نماز پڑھ کر نور محل گئے وہاں مراقبہ کیا۔ ولی بھائی نے نعت شریف پڑھی۔ مراقبے کے بعد وہ تبرکات دکھائے جو شیشے کے فریم میں تھے، فرغل میں خون کے نشانات لگے ہوئے تھے۔ اب انہوں نے نور محل کی نئی عمارت تعمیر کرائی ہے۔ کہہ رہے تھے کہ ہم چاہتے ہیں کہ حضرت صاحب آکر نئی عمارت میں یہ تبرکات رکھیں۔ ہم ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھیجیں گے لیکن پتا نہیں کہ انہوں نے شفٹ کیا یا نہیں؟ یا دادا ابا کی کمزوری کی وجہ سے زحمت نہیں دی۔ نور محل سے فارغ ہو کر ان کے آبائی قبرستان گئے جو چار دیواری کے احاطے میں ہے۔ اس قبرستان میں مولانا نسیم اور ڈاکٹر جمیل صاحب وغیرہ کے مزارات ہیں، ایصال ثواب کر کے گھر آئے، ناشتہ کیا اور واپسی کی اجازت لی تو انہوں نے کہا کہ اب تو آپ جا ہی نہیں سکتے، کیونکہ ایک تو ہم نہیں جانے دیں گے اور دوسرے یہ کہ دونوں ندیاں بہت زیادہ چڑھ گئی ہیں واپسی ناممکن ہے۔ لیکن ظہور بھائی نے بتایا کہ رمضان المبارک قریب ہے، جانا ضروری ہے تو انہوں نے کہا کہ گاڑی میں تو جا نہیں سکتے پیدل جانا پڑے گا تو ہم نے کہا ٹھیک ہے پیدل ہی چلیں گے، لیکن انہوں نے بتایا کہ آتے ہوئے آپ کو جو دو ندیاں ملیں تھیں ان میں سے دوسری ندی کے کنارے تک گاڑی میں چلتے ہیں، وہاں سے ندی کے کنارے کنارے چکدرہ چلیں گے، پھر انہوں نے سوزوکی پک اپ منگوالی۔ اس میں ہم لوگ ندی کے کنارے پہنچے تو دیکھا واقعی تمام گاڑیاں اس ندی سے پہلے کھڑی ہیں کہ ندی کا پانی کم ہو تو جائیں۔ ہم لوگ وہاں اتر کر پیدل ہی چل دیئے۔ ڈاکٹر جمیل صاحب کے صاحبزادے چکدرہ تک چھوڑنے آئے۔ اس راستے سے

بہت سے لوگ اپنے اپنے کام سے جا رہے تھے۔ ان لوگوں نے ہمارے ہاتھ میں سامان دیکھا تو وہ سمجھے کہ تبلیغ سے آرہے ہیں تو انہوں نے ہمارا سامان لے لیا اور ہم سے تیز چل کر چکدرہ پہنچ گئے۔ ان کا شکریہ ادا کیا اور ڈاکٹر جمیل صاحب کے صاحبزادے جنہوں نے بہت زیادہ تکلف فرمایا ان کے لئے دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین، ثم آمین۔

چکدرہ سے براستہ بٹ خیلہ ٹویوٹا ہائی ایس میں مردان آئے مردان مین روڈ پر مسجد میں ساتھیوں نے قیام کیا، میں اور ظہور بھائی دادا ابا کے تعلق کی یاور حنیف صاحبہ کے گھر گئے۔ ان کے بیٹے سے ملاقات ہوئی۔ انھیں دادا ابا کا خط دیا، بہت خوش ہوئیں اور بہت زیادہ تکلف فرمایا۔ پھر ہم دونوں مسجد پہنچے۔ سب لوگ وضو کر کے تیار بیٹھے تھے، ظہر کی نماز ادا کی اور کھانا کھایا، مسجد کے قریب ہی بس اسٹینڈ سے بس میں سوار ہو کر براستہ نوشہرو چھاؤنی غرغشتی پہنچے، غرغشتی کے متعلق عرض کرتا چلوں کہ یہ میرے دادا کا ننھیال ہے اور وہاں قبرستان میں دادا ابا کے پرنانا کے والد اخوند محمد بشارت رحمتہ اللہ علیہ صاحب کا مزار ہے۔ ۱۹۶۸ میں پہلی بار جب دادا ابا غرغشتی گئے تو اخوند محمد بشارت رحمتہ اللہ علیہ کی قبر کی طرف سے ایسی کشش محسوس ہوئی تھی کہ دادا ابا سیدھے ان کی قبر پر پہنچے۔ اسی طرح کی کشش کابل میں بابر کے مزار کی طرف سے ہوئی تھی۔ دادا ابا نے ننھیال کا شجرہ لکھ کر دے دیا تھا تو اس میں مولانا نصیر الدین صاحب کا ذکر تھا ان کا انتقال ہو چکا تھا (مولانا نصیر الدین صاحب حضرت خواجہ عثمانی دامانی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت تھے) ان کے بیٹے مولانا ابراہیم صاحب کے متعلق دریافت کیا تو ان کے ایک عزیز مل گئے وہ ہمیں مولانا ابراہیم صاحب کی مسجد لے گئے ہمیں مسجد میں بٹھا کر مولانا ابراہیم کو ہمارے آنے کی اطلاع کرنے چلے گئے۔ کوئی صاحب اللہ خوش رکھے۔ چائے پاپے لے آئے تھوڑی دیر میں مولانا ابراہیم صاحب تشریف لائے ہم

نے اپنا تعارف کرایا پھر انہوں نے فرمایا کہ صبح بات کریں گے ہم لوگ رات مسجد ہی میں سو گئے۔ صبح فجر کی نماز مولانا ابراہیم صاحب نے پڑھائی بعد نماز اپنے گھر لے گئے مراقبہ کرایا اس کے بعد چائے پراٹھے اور حلوے کا ناشتہ کرایا اپنے والد مولانا نصیر الدین رحمتہ اللہ علیہ کی فوٹو بھی دکھائی۔ پھر ہمیں قبرستان اپنے والد اور اخوند محمد بشارت کے مزارات پر لے گئے۔

مولانا ابراہیم صاحب نے بتایا کہ ہم نے یہاں تین مسجدیں اور مدرسے بنائے ہیں جن میں سے ایک مسجد زیر تعمیر تھی جس میں بچے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کررہے تھے۔

مولانا ابراہیم صاحب کے بیٹے حافظ منیر سے بھی ملاقات ہوئی جوکہ لندن جانے والے تھے (اس علاقہ کے زیادہ تر لوگ لندن میں مقیم ہیں) مولانا ابراہیم صاحب نے فرمایا کہ میں چھوڑنے جاؤں گا تو حیدرآباد حاضر ہوں گا، لیکن شاید وقت نہ ملنے کی وجہ سے نہیں آئے غرغشتی سے سوزوکی پک اپ میں سوار ہوکر تربیلا گئے جوکہ غرغشتی سے تقریباً چھ سات کلو میٹر کے فاصلے پر ہے تربیلا کالونی بہت ہی خوب صورت ہے تربیلا میں شائستہ پھوپھی کا گھر ہے ان کے شوہر تربیلا ڈیم میں ملازم ہیں۔ بہت خوش ہوئیں تھوڑی دیر بیٹھ کر اس سوزوکی میں حضرو آئے حضرو سے بس میں پنڈی کے لیے روانہ ہوئے۔ تقریباً تین بجے پنڈی پہنچے پنڈی میں ظہر کی نماز ہم لوگوں نے ادا کی اور کھانا کھایا پھر رضیہ پھوپھی کے یہاں گئے وہ بھی بہت خوش ہوئیں۔ ان کے یہاں سے شاہ فیصل مسجد گئے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاءالحق کے مزار پر حاضری دی وہیں سے بس میں سوار ہوکر پنڈی ریلوے اسٹیشن پہنچے رات گیارہ بجے ٹرین میں لاہور کے لیے روانہ ہوئے۔ ۲۳ مارچ کی صبح ساڑھے سات بجے لاہور پہنچے۔ لاہور پہنچ کر عبدالغفار صاحب کو ٹیلیفون کیا وہ ہمیں اسٹیشن لینے آگئے ان کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے خلیفہ اور آپ کے صاحبزادگان

کے استاد حضرت طاہر بندگی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے وہاں سے
عبدالغفار صاحب کے ساتھ اس جگہ گئے جہاں ان کا کنسٹرکشن کا کام چل رہا تھا
ان کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا اور جمعے کی نماز پڑھی پھر وہاں سے سعادت
بھائی کے گھر گئے ان کے یہاں عصر کی نماز ادا کی اور چائے پی وہاں سے فارغ
ہو کر حیدرآباد آنے کے لیے لاہور ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ حاجی عبدالغفار
صاحب نے ہم سب کے ٹکٹ اور کھانے کے لنچ بکس بھی خرید کر دیے اللہ
تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ بہت ہی زیادہ تکلف فرمایا تو
ہم تینوں کے ٹکٹ اور کھانے کا انتظام کیا۔ لاہور سے مغرب کے بعد روانہ
ہوئے ۲۳ مارچ کی صبح گیارہ بجے حیدرآباد پہنچے۔ الحمدللہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سفر نامہ نمبر ۲

از حافظ منیر احمد خان

سفر برائے پھلن شریف، مسکین پور شریف، احمد پور شرقیہ اور ملتان

ہم لوگ حیدر آباد سے ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۹۵ء کو پیر کی رات ساڑھے نو بجے روانہ ہوئے۔ حیدر آباد سے سولہ ہزار روپے میں ایر کنڈیشن کوچ کرایے پر لی تھی۔ بیالیس افراد تھے۔ جن میں حیدر آباد سے یہ تھے: ۱- عبدالغفار صاحب ۲- محمد نواز صاحب ۳- حافظ فاروق صاحب ۴- صدیق صاحب ۵- سلیم صاحب ۶- رضا صاحب ۷- بابو نہال صاحب ۸- اسلم چوہان صاحب ۹- انوار احمد شیخ صاحب ۱۰- احسن صاحب ۱۱- فرید صاحب ۱۲- حسن صاحب ۱۳- عرفان صاحب ۱۴- محمد مستان صاحب ۱۵- غلام احمد صاحب ۱۶- محمد شفیع صاحب ۱۷- سرور صاحب ۱۸- محمد اصغر صاحب ۱۹- اقبال شاہ صاحب ۲۰- محمد جہانگیر صاحب ۲۱- اسحٰق صاحب اور ۲۲- راقم الحروف منیر احمد خان۔

کراچی سے یہ حضرات تھے: ۱- امجد علی صاحب ۲- وقار احمد صاحب ۳- عتیق صاحب (گلشن اقبال والے) ۴- شفیق صاحب ۵- عتیق صاحب (نارتھ کراچی والے) ۶- سرفراز صاحب ۷- وکیل احمد صاحب ۸- نعمت اللہ صاحب ۹- امیر صاحب ۱۰- عمران صاحب ۱۱- جاوید مختار صاحب ۱۲- کامران صاحب ۱۳- ناصر مصطفوی صاحب ۱۴- عاصم مصطفوی صاحب ۱۵- عاطف صاحب ۱۶- ساجد صاحب ۱۷- اسلم صاحب ۱۸- رشید احمد صاحب ۱۹- غلام مصطفیٰ صاحب۔ ایک کوئی اور صاحب تھے۔ اس طرح

بیالیس افراد تھے اور فی کس پانچ سو روپے ادا کیے گئے۔

پیر کو عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد قریب ساڑھے نو بجے روانہ ہوئے۔ سوا ۲ بجے ہالانی پہنچے۔ وہاں تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد قریب تین بجے رات کو روانہ ہو کر پانچ بجے صبح روہڑی پہنچے۔ وہاں چائے پی، فجر کی نماز پڑھی۔ پونے چھے بجے وہاں سے روانہ ہوئے تو سات بج کر پچاس منٹ پر ہماری بس کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ دوسرا ٹائر لگایا۔ پھر ساڑھے ۸ بجے وہاں سے روانہ ہوئے۔ سوا نو بجے صادق آباد میں پنکچر بنوایا اور آگے بڑھے تو لیاقت پور میں محمد یوسف صاحب کے یہاں دوپہر کو ایک بجے پہنچے۔ ان کو محترم عبدالغفار صاحب نے پہلے سے اطلاع کردی تھی تو انھوں نے بہت پر تکلف کھانے کھلائے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہانوں میں سرفراز و سربلند فرمائے۔ بہت ہی خلوص اور محبت والے ہیں۔

کھانے سے فارغ ہو کر نماز ظہر ادا کی۔ پھر ساڑھے تین بجے روانہ ہو کر سہ پہر کو پانچ بجے اوچ شریف پہنچے۔ وہاں حضرت جلال الدین سرخ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ محمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ مخدوم جہانیاں، جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر حاضری دی۔ وہاں مسجد میں عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد ہم لوگ پونے چھ بجے روانہ ہوئے اور قریب ایک گھنٹے میں پھلن شریف پہنچے۔ جہاں حضرت فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ خلیفہ حضرت مولانا نور بخش علیہ الرحمۃ کا مزار ہے اور ان کی صاحبزادے جناب مولانا عبدالرشید صاحب رح (المتوفی ۱۶ نومبر سنہ ۱۹۹۶ع) ان کے جانشین تھے۔ کیا معلوم تھا کہ مولانا عبدالرشید صاحب جلد ہی فوت ہو جائیں گے۔ انھوں نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں وہاں جلسہ کیا۔ عشاء کے بعد تقاریر ہوئیں ـــــــ مسجد کا سنگ بنیاد اور حافظوں کی دستار بندی مجھ عاجز کے ہاتھوں کرائی۔ بڑی شفقت فرمائی۔ اس عاجز نے بھی

کچھ عرض کیا اور ان کا شکریہ ادا کیا پھر کھانا کھایا۔ کھانے سے فراغت کے بعد تھوڑی دیر کے لئے سب لوگ چہل قدمی کے لیے چلے گئے۔ چائے نوشی بھی ہوئی۔ پھر سب سو گئے۔ صبح کو فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد حضرت نور بخش علیہ الرحمتہ کے مزار کو (جو کہ ۳-۴ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے) ہم لوگ پیدل گئے۔ ایصال ثواب کے بعد سب نے وہیں مراقبہ کیا۔ اشراق اور چاشت کی نمازیں بھی وہیں پڑہیں اور نو بجے وہاں سے پھلن شریف واپس پہنچے۔ ناشتہ کیا۔ پھر مسکین پور شریف کے لئے سوا دس بجے روانہ ہوئے۔ گیارہ بجے وہاں پہنچے۔ پہنچتے ہی دوپہر کا کھانا کھایا۔ حضرت فضل علی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دی- ایصال ثواب کرنے بعد مراقبہ کیا، پھر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد ظہر کی نماز پڑھی- دو بجے جماعت ہوئی۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت فضل علی قریشی رحمتہ اللہ علیہ کے عرس کے سلسلے میں تقریریں شروع ہوئیں۔ جناب محمد شاہ صاحب نے (جو حضرت کلیم اللہ شاہ صاحب رح کے صاحبزادے ہیں اور حضرت فضل علی قریشی علیہ الرحمتہ کے پرنواسے ہیں) وعظ فرمایا۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ شاہ علیہ الرحمتہ کے خلیفہ مولانا نصیرالدین صاحب نے تقریر فرمائی۔ سوا پانچ بجے عصر کی نماز ادا کی۔ پھر کھانا کھایا۔ اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد جلسے کی پھر کارروائی شروع ہوئی۔ مولانا عبدالرشید صاحب مرحوم نے تقریر فرمائی۔ ان کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب قاسمی نے اور خطیب پاکستان مولانا عبدالکریم ندوی صاحب نے وعظ فرمایا۔ ساڑھے دس بجے عشاء کی نماز ادا کی۔ پھر سو گئے۔ رات ہی کو محترم بشیر موہانی صاحب اور جناب طاہر بیگ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ان کو معلوم ہوا کہ ہم لوگ ملتان بھی جائیں گے۔ تو وہ حضرات ہمارے انتظام کے لیے رات ہی کو ملتان چلے گئے۔ صبح کو فجر کی نماز کے بعد جلسے کی کارروائی پھر شروع ہوئی۔ مجھ عاجز سے تلاوت کرائی گئی۔ محمد

شاہ صاحب نے پھر تقریر فرمائی۔ قریب آٹھ بجے جلسہ ختم ہوا۔ پھر ناشتہ کیا اور پونے نو بجے ہم لوگ ملتان کے لیے روانہ ہوئے۔ بارہ بجے وہاں پہنچے۔ جناب طاہر بیگ صاحب، اور ان کے صاحبزادے محمد عثمان صاحب کے ساتھ حضرت بہاء الدین زکریا قدس سرہ، ان کے صاحبزادے حضرت صدر الدین رحمتہ اللہ علیہ اور پوتے حضرت رکن عالم رحمتہ اللہ علیہ کے مزارات پر حاضری دی اور مراقبہ کیا۔ پھر محترم بشیر موہانی صاحب کے محلے کی مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد ان کے یہاں دوپہر کا کھانا کھایا اور چائے پی۔ اس سے فارغ ہو کر ساڑھے تین بجے احمد پور شرقیہ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں عصر اور مغرب کی نمازیں پڑھیں اور ساڑھے سات بجے احمد پور شرقیہ پہنچے۔ وہاں حضرت محمد سعید قریشی رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے اور حضرت مولانا محمد صادق علیہ الرحمتہ کے صاحبزادے جناب عبدالقدوس صاحب کے یہاں سب نے کھانا کھایا اور حضرت مولانا محمد صادق علیہ الرحمتہ کے مزار پر حاضری دی۔ پھر عشاء کی نماز کے بعد وہاں مسجد ہی میں مولانا صاحب کی یاد میں جلسہ ہوا۔ نعمت اللہ صاحب نے نعت پڑھی۔ پھر ایک صاحب نے تقریر کی۔ مراقبہ ہوا اور دعا کی گئی۔ حاجی فتح محمد صاحب کے صاحبزادے ہم لوگوں کے لیے حلوا لے کر آئے۔ وہ ہم نے ساتھ رکھ لیا۔ پھر ہم سب لوگ احمد پور شرقیہ سے ساڑھے دس بجے رات کو روانہ ہو کر ایک گھنٹے میں لیاقت پور پہنچے۔ محترم و مکرم محمد یوسف صاحب نے بہت سا کھانا ہم لوگوں کے ساتھ کر دیا۔ انہوں نے چائے بھی پلائی۔ ان سے سوا بجے رات کو رخصت ہو کر صبح ساڑھے پانچ بجے گھوٹکی پہنچے۔ وہیں فجر کی نماز پڑھی اور چائے پی کر وہاں سے ایک گھنٹے کے بعد روانہ ہوئے۔ راستے میں وہ حلوا کھایا جو حاجی فتح محمد صاحب کے صاحبزادے نے ساتھ کر دیا تھا۔ آٹھ بجے خیرپور کے نزدیک بس کے بریک جام ہو گئے۔ وہ ٹھیک ہوئے تو وہاں سے قریب نو بجے روانہ ہو کر محترم عبدالغفار صاحب کے

دولت کدے پر پونے گیارہ بجے ہالانی پہنچے۔ وہاں نہایا پھر وہ کھانا جو محترم محمد یوسف صاحب نے ساتھ کردیا تھا۔ ہم لوگوں نے گرم کر کے کھایا۔ چائے پی اور ساڑھے بارہ بجے یہاں سے روانہ ہوئے۔ راستے میں حضرت مولانا غلام دستگیر علیہ الرحمتہ (جو حضرت فضل علی قریشی رحمتہ اللہ علیہ اور پھر حضرت مولانا عبدالغفور مدنی علیہ الرحمتہ سے مستفیض تھے) کے مزار پر حاضری دی۔ فاتحہ پڑھی اور مراقبہ کیا۔ اس کے بعد روانہ ہوئے تو نوشہرو فیروز میں پونے دو بجے جمعہ کی نماز ادا کی۔ وہاں سے ڈھائی بجے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک مدرسے میں دس منٹ کے لیے رکے اور اس کے بعد روانہ ہوئے تو عصر کی نماز ہالا ناکہ حیدر آباد کی چینل مسجد میں پونے چھ بجے ادا کی۔ چائے پی اور روانہ ہوکر پونے سات بجے یونی ورسٹی اولڈ کیمپس پہنچ کر مغرب کی نماز پڑھی۔ الحمدللہ یہ سفر ۲۰ مارچ کی رات سے ہوکر جمعہ ۲۴ مارچ ۱۹۹۵ء کو ختم ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سفرنامہ نمبر ۲۱ — از حافظ منیر احمد خان

سفر برائے کھڈّن شریف[۱]، مسکین پور شریف[۲]، احمد پور شرقیہ[۳] اور ملتان[۴]

ہم لوگ حیدرآباد سے ۲۰ مارچ ۱۹۹۵ء کو پیر کی رات ساڑھے نو بجے روانہ ہوئے۔ حیدرآباد سے سولہ ہزار روپے میں ایرکنڈیشن کوچ کرایے پر لی تھی۔ بیالیس افراد تھے جن میں حیدرآباد والے یہ تھے:- (۱) عبدالغفار صاحب (۲) محمد نواز صاحب (۳) حافظ فاروق صاحب (۴) صدیق صاحب (۵) سلیم صاحب، (۶) رضا صاحب (۷) بابو نہال صاحب (۸) اسلم چوہان صاحب (۹) انوار احمد شیخ صاحب (۱۰) احسن صاحب، (۱۱) فرید صاحب (۱۲) حسن صاحب (۱۳) عرفان صاحب (۱۴) محمد مستان صاحب (۱۵) غلام احمد صاحب (۱۶) محمد شفیع صاحب (۱۷) سرور صاحب (۱۸) محمد اصغر صاحب (۱۹) اقبال شاہ صاحب (۲۰) محمد جہانگیر صاحب (۲۱) اسحٰق صاحب اور (۲۲) راقم الحروف منیر احمد خان۔

کراچی والے حضرات یہ تھے:- (۱) امجد علی صاحب (۲) وقار احمد صاحب (۳) عتیق صاحب (گلشنِ اقبال والے)۔ (۴) شفیق صاحب (۵) عتیق صاحب (نارتھ کراچی والے) (۶) سرفراز صاحب (۷) وکیل احمد صاحب (۸) نعمت اللہ صاحب (۹) امیر صاحب (۱۰) عمران صاحب (۱۱) جاوید مختار صاحب (۱۲) کامران صاحب (۱۳) ناصر مصطفوی صاحب (۱۴) عاصم مصطفوی صاحب (۱۵) عاطف صاحب (۱۶) ساجد صاحب (۱۷) اسلم صاحب (۱۸) رشید احمد صاحب (۱۹) غلام مصطفےٰ صاحب۔ ایک کوئی انور صاحب تھے۔ اس طرح بیالیس افراد تھے اور فی کس پانچ سو روپے ادا کیے گئے۔

پیر کو عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد قریب ساڑھے نو بجے روانہ ہوئے۔ سوا دو بجے بالاتی پہنچے۔ وہاں تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد قریب تین بجے رات کو روانہ ہو کر پانچ بجے صبح روہڑی پہنچے۔ وہاں چائے پی، فجر کی نماز پڑھی۔ پونے چھ بجے وہاں سے روانہ ہوئے تو سات بج کر پچاس منٹ پر ہماری بس کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ دوسرا ٹائر لگایا۔ پھر ۸½ بجے وہاں سے روانہ ہوئے۔ سوا نو بجے صادق آباد میں پنکچر بنوایا۔ لہٰذا آگے بڑھے تو لیاقت پور میں محمد یوسف صاحب کے یہاں دوپہر کو ایک بجے پہنچے۔ اُن کو محترم عبدالغفار صاحب نے پہلے سے اطلاع کر دی تھی تو انھوں نے بہت پُرتکلف کھانے کھلائے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو دونوں جہانوں میں سرفراز و سربلند فرمائے۔ بہت ہی خلوص اور محبت والے ہیں۔

کھانے سے فارغ ہو کر نمازِ ظہر ادا کی۔ پھر ساڑھے تین بجے روانہ ہو کر سہ پہر کو پانچ بجے اوچ شریف پہنچے۔ وہاں حضرت جلال الدین سُرخ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ محمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر حاضری دی۔ وہاں مسجد میں عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد ہم لوگ پونے چھ بجے روانہ ہوئے اور قریب ایک گھنٹے میں کھڈّن شریف پہنچے۔ جہاں حضرت فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ خلیفہ حضرت مولانا نور بخش علیہ الرحمہ کا مزار ہے اور اُن کے صاحبزادے جناب مولانا عبدالرشید صاحب رح (المتوفی ۱۶ نومبر ۱۹۹۶ء) اُن کے جانشین تھے۔ کیا معلوم تھا کہ مولانا عبدالرشید صاحب جلد ہی فوت ہو جائیں گے۔ انھوں نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں جہاں جلسہ کیا۔ عشاء کے بعد تقاریر ہوئیں اور مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ پھر حافظوں کی دستار بندی مجھ عاجز کے ہاتھوں کرائی۔ بڑی شفقت فرمائی۔ اس عاجز نے بھی کچھ عرض کیا اور اُن کا شکریہ ادا کیا۔ پھر کھانا کھایا۔ کھانے سے فراغت کے بعد تھوڑی دیر کے لیے سب لوگ چہل قدمی کے لیے چلے گئے۔ چائے نوشی بھی ہوئی۔ پھر سب سو گئے۔ صبح کو فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد حضرت نور بخش علیہ الرحمہ کے مزار کو (جو کہ ۳-۴ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے) ہم لوگ پیدل گئے۔ ایصالِ ثواب کے بعد سب نے وہیں مراقبہ کیا۔ اشراق اور چاشت کی نمازیں بھی وہیں پڑھیں اور نو بجے وہاں سے کھڈّن شریف واپس پہنچے۔ ناشتہ کیا۔ پھر مسکین پور شریف کے لیے سوا دس بجے روانہ ہوئے۔ گیارہ بجے وہاں پہنچے۔ پہنچتے ہی دوپہر کا کھانا کھایا۔ اس کے بعد حضرت فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دی۔ ایصالِ ثواب کرنے کے بعد مراقبہ کیا۔ پھر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد

ظہر کی نماز پڑھی۔ دو بجے جماعت ہوئی۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے
عرس کے سلسلے میں تقریریں شروع ہوئیں۔ جناب محمد شاہ صاحب نے (جو حضرت کلیم اللہ شاہ صاحب رحمۃ کے
صاحبزادے ہیں اور حضرت فضل علی قریشی علیہ الرحمہ کے پرنواسے ہیں) وعظ فرمایا۔ اُن کے بعد حضرت عبداللہ شاہ
علیہ الرحمہ کے خلیفہ مولانا نصیر الدین صاحب نے تقریر فرمائی۔ سوا پانچ بجے عصر کی نماز ادا کی۔ پھر کھانا کھایا
اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد جلسے کی پھر کارروائی شروع ہوئی۔ مولانا عبدالرشید صاحب مرحوم نے
تقریر فرمائی۔ اُن کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب قاسمی نے اور خطیب پاکستان مولانا عبدالکریم ندوی صاحب نے
وعظ فرمایا۔ ساڑھے دس بجے عشاء کی نماز ادا کی۔ پھر سو گئے۔ رات ہی کو محترم بشیر موہانی صاحب اور
جناب طاہر بیگ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اُن کو معلوم ہوا کہ ہم لوگ مُلتان بھی جائیں گے تو وہ حضرات ہمارے
انتظام کے لیے رات ہی کو مُلتان چلے گئے۔ صبح کو فجر کی نماز کے بعد جلسے کی کارروائی پھر شروع ہوئی۔ مجھ
عاجز سے تلاوت کرائی، محمد شاہ صاحب نے پھر تقریر فرمائی۔ قریب آٹھ بجے جلسہ ختم ہوا۔ پھر ناشتہ
کیا اور پونے نو بجے ہم لوگ مُلتان کے لیے روانہ ہوئے۔ بارہ بجے وہاں پہنچے۔ جناب طاہر بیگ صاحب اور اُن کے
صاحبزادے محمد عثمان صاحب کے ساتھ حضرت بہاء الدین زکریا قدس سرہ، اُن کے صاحبزادے حضرت صدر الدین
رحمۃ اللہ علیہ اور پوتے حضرت رُکنِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر حاضری دی اور مراقبہ کیا۔ پھر محترم بشیر موہانی
صاحب کے محلے کی مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد اُن کے یہاں دوپہر کا کھانا کھایا اور چائے پی۔ اس سے
فارغ ہو کر ساڑھے تین بجے احمد پور شرقیہ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں عصر اور مغرب کی نمازیں
پڑھیں اور ساڑھے سات بجے احمد پور شرقیہ پہنچے۔ وہاں حضرت محمد سعید قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے
اور حضرت مولانا محمد صادق علیہ الرحمہ کے صاحبزادے جناب عبدالقدوس صاحب کے یہاں سب نے کھانا کھایا۔ اور
حضرت مولانا محمد صادق علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضری دی۔ پھر عشاء کی نماز کے بعد وہاں مسجد ہی میں مولانا صاحب کی
یاد میں جلسہ ہوا۔ نعمت اللہ صاحب نے نعت پڑھی۔ پھر ایک صاحب نے تقریر کی۔ مراقبہ ہوا اور دعا کی گئی۔
حاجی فتح محمد صاحب کے صاحبزادے ہم لوگوں کے لیے حلوا لے کر آئے۔ وہ ہم نے ساتھ رکھ لیا۔ پھر ہم سب لوگ
احمد پور شرقیہ سے ساڑھے دس بجے رات کو روانہ ہو کر ایک گھنٹے میں لیاقت پور پہنچے۔ محترم و مکرم
محمد یوسف صاحب نے بہت سا کھانا ہم لوگوں کے ساتھ کر دیا۔ انھوں نے چائے بھی پلائی۔ اُن سے
رات کو رخصت ہو کر صبح ساڑھے پانچ بجے گھوٹکی پہنچے۔ وہیں فجر کی نماز پڑھی۔ اور چائے پی کر وہاں سے
ایک گھنٹے کے بعد روانہ ہوئے۔ راستے میں وہ حلوا کھایا جو حاجی فتح محمد صاحب کے صاحبزادے نے ساتھ کر دیا تھا۔
آٹھ بجے خیرپور کے نزدیک لیبن کے بریک جام ہو گئے۔ وہ ٹھیک ہوئے تو وہاں سے قریب نو بجے روانہ
ہو کر محترم عبدالغفار صاحب کے دولت کدے پر پونے گیارہ بجے ہالا پہنچے۔ وہاں نہایا۔ پھر وہ کھانا جو محترم
محمد یوسف صاحب نے ساتھ کر دیا تھا، ہم لوگوں نے گرم کر کے کھایا۔ چائے پی اور ساڑھے بارہ بجے وہاں سے
روانہ ہوئے۔ راستے میں حضرت مولانا غلام دستگیر علیہ الرحمہ (جو حضرت فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ اور
پھر حضرت مولانا عبدالغفور مدنی علیہ الرحمہ کے مستفیض تھے) کے مزار پر حاضری دی۔ فاتحہ پڑھی اور مراقبہ کیا۔
اس کے بعد روانہ ہوئے تو نوشہرو فیروز میں پونے دو بجے جمعہ کی نماز ادا کی۔ وہاں سے ڈھائی بجے
روانہ ہوئے تو راستے میں ایک مدرسے میں دس منٹ کے لیے رُکے اور اس کے بعد روانہ ہوئے تو عصر کی
نماز ہالا ناکہ حیدرآباد کی چینل مسجد میں پونے چھ بجے ادا کی۔ چائے پی اور روانہ ہو کر پونے سات بجے
یونی ورسٹی اولڈ کیمپس پہنچ کر مغرب کی نماز پڑھی۔ الحمدللہ۔
یہ سفر ۲۰ مارچ کی رات سے شروع ہو کر جمعہ ۲۴ مارچ ۱۹۹۵ء کو ختم ہوا۔

سندھ کا مطالعاتی دورہ

سندھ یونیورسٹی کی طرف سے جب میرا پی-ایچ-ڈی کا موضوع ''سندھ میں قرآنی تراجم و تفاسیر'' منظور ہوا تو اندرون سندھ کے تفصیلی دورے کا پروگرام بنا، حسن اتفاق سے برادر عزیز محمد عرفان صاحب جو کراچی یونیورسٹی سے ''سندھ میں قرآن مجید کے قلمی نسخے'' کے عنوان سے پی-ایچ-ڈی کررہے ہیں، وہ بھی اس دورے میں شامل ہوگئے۔ ہمارے تیسرے ساتھی حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب تھے جو اس پورے دورے میں ہمارے ساتھ شریک سفر رہے۔ ہم ۲۶ اگست ۱۹۹۴ع جمعے کے دن شام ۴ بجے کے قریب حیدرآباد سے اپنی گاڑی میں روانہ ہوئے۔ رات کو آٹھ بجے نوشہروفیروز پہنچے۔ ہمارے محترم غلام مصطفیٰ بلوچ صاحب نے نوشہروفیروز میں پہلے سے اپنے دوست بشیر احمد بھٹو صاحب کو ہماری آمد کی اطلاع کردی تھی، چنانچہ وہ ہمارے انتظار میں تھے۔ موصوف نے نہایت محبت سے ہمارے قیام وطعام کا انتظام کیا۔ رات نوشہروفیروز میں رہ کر صبح سویرے ہم کنڈیارو کے لئے روانہ ہوگئے۔ کنڈیارو میں درگاہ اللہ آباد شریف میں فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی۔ پروگرام یہ تھا کہ نقشبندی سلسلے کے نوجوان بزرگ حضرت پیر محمد طاہر صاحب عرف سجن سائیں سے ملاقات کر کے قاسمیہ لائبریری سے استفادہ کریں گے۔ لیکن معلوم ہوا کہ سجن سائیں دو ماہ کے دورے پر کراچی تشریف لے گئے ہیں۔ کراچی میں قائم نئے مدرسے میں ان کا قیام ہے۔ وہ درگاہ بھی ہے تو درسگاہ بھی۔

درگاہ اللہ آباد کی مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد ہم قاسمیہ لائبریری

کنڈیارو آئے۔ قاسمیہ لائبریری مولانا محمد قاسم سومرو صاحب کی قائم کردہ ہے جس میں مطبوعہ و غیر مطبوعہ (قلمی نسخے) ۲۲ ہزار سے زیادہ کتابیں موجود ہیں۔ تقریباً ہر موضوع پر کتابیں موجود ہیں۔ یہاں سندھی زبان میں قیام پاکستان سے پہلے کا دینی لٹریچر بھی کافی مقدار میں موجود ہے۔ مولانا قاسم محمد صاحب پرائمری اسکول میں استاد ہیں۔ درس نظامی سے فارغ التحصیل ہیں۔ انہیں عربی زبان میں مضامین لکھنے کا ملکہ حاصل ہے۔ سعودی عرب اور خلیج کے ملکوں سے شایع ہونے والے عربی رسالوں میں ان کے مضامین اور خطوط وغیرہ شایع ہوتے رہتے ہیں۔ سندھی زبان میں بھی ان کی متعدد کتابیں شایع ہوئی ہیں۔ اب وہ انبیاء کرام کے موضوع پر ایک تفصیلی کتاب لکھ رہے ہیں۔ ان کے فرزند مولانا محمد ادریس صاحب نے پاکستان بننے کے بعد سندھی زبان میں دینی لٹریچر کے موضوع پر سندھ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ مولانا محمد ادریس صاحب کنڈیارو میں ہی دارالعلوم میں درس نظامی کی کتابیں پڑھا رہے ہیں۔

قاسمیہ لائبریری میں مطلوبہ کتابوں سے استفادہ کے سلسلے میں مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا محمد ادریس صاحب نے بھرپور تعاون کیا۔ ہم نے ان کی لائبریری سے تقریباً ۴ گھنٹے تک استفادہ کیا۔ وہاں معلوم ہوا کہ مولانا منظور احمد سومرو صاحب جو دادو میں مدرسہ دارالفیوض کے صدر مدرس ہیں، وہ آئے ہوئے ہیں۔ مولانا موصوف کا اصل شہر کنڈیارو ہی ہے۔ درس و تدریس کے سلسلے میں موصوف دادو میں قیام پذیر ہیں۔ مولانا منظور احمد صاحب مذہبی حلقے خاص طور پر دیوبندی مکتبۂ فکر کے بڑے دانشور شمار ہوتے ہیں۔ ان کا مطالعہ اور تجربہ وسیع ہے۔ مطالعے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی ذہانت عطا فرمائی ہے۔ مولانا منظور احمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ان کے دادا کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن پاک کا قلمی نسخہ ان کے ہاں موجود

ہے، جو تقریباً اسی سال پہلے کا ہے۔ چنانچہ ہم مولانا کی اوطاق آئے۔ محمد عرفان صاحب نے قلمی نسخے کے شروع اور آخری صفحات کے عکس لئے اور میں نے نسخے کے بارے میں ڈائری میں تفصیلات تحریر کیں۔ تقریباً بارہ بجے کے قریب ہم کنڈیارو سے فارغ ہوکر کوٹری کبیر کے لئے روانہ ہوئے۔ کوٹری کبیر (جو حیدرآباد اور سکھر کے مین روڈ پر واقع سندھ کا تاریخی شہر ہے) میں مخدوم غوث محمد صاحب کے بارے میں معلوم ہوا کہ موصوف کے پاس اچھی لائبریری ہے۔ جس میں قرآن مجید کے قلمی نسخے بھی موجود ہیں۔ ہم ایک بجے کے قریب کوٹری کبیر پہنچے۔ مخدوم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مخدوم صاحب کے آباء واجداد نہ صرف اپنے علاقے بلکہ سندھ کے بڑے بزرگ شمار ہوتے تھے۔ مخدوم غوث محمد صاحب کی شخصیت میں بھی اس کے آثار نظر آئے۔ مخدوم غوث محمد صاحب جہاں سجادہ نشین ہیں وہاں علاقے کے زمیندار بھی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ملنساری، روایات کی پاسداری اور علم وادب سے ذوق کے معاملے میں مخدوم صاحب کی شخصیت قابل قدر نظر آئی۔ سندھ کے زمینداروں اور وڈیروں میں کتابوں اور قلمی نسخوں سے محبت و تعلق برائے نام نظر آتا ہے۔ مخدوم صاحب میں یقیناً بزرگوں کی وراثت کے اثرات سے ہی یہ ذوق منتقل ہوا ہے۔ ان کی اوطاق (بیٹھک) کا ایک بڑا کمرا جو حال نما تھا وہ لائبریری، قلمی نسخوں اور میوزم کے لئے مخصوص تھا۔ کتابوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ موصوف کتابوں کے انتخاب کے معاملے میں بھی باذوق اور وسیع النظر ہیں۔ ان کے پاس قرآن مجید کے کئی قلمی نسخے موجود تھے۔ لیکن صحیح حال میں موجود قلمی نسخے درجن کے قریب تھے۔ ایک قلمی نسخہ ان کی تحقیق اور روایت کے مطابق دوسری صدی ہجری کا بھی تھا (اگرچہ سندھ کے ممتاز محقق ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کی تحقیق اس سے مختلف ہے) میں اور محمد عرفان صاحب ساڑھے پانچ بجے تک مطلوبہ قلمی نسخوں کے عکس لیتے رہے اور

تفصیل نوٹ کرتے رہے، ساڑھے پانچ بجے فارغ ہونے کے بعد ہم کوٹری کبیر سے کھوڑا کے لیے روانہ ہوئے۔ عصر کی نماز رانی پور میں سچل سرمست کے مزار سے منسلک مسجد میں پڑھی۔ کھوڑا میں رات مولانا محمد رمضان صاحب کے پاس قیام کا پروگرام تھا۔ مغرب کی نماز کے وقت کھوڑا پہنچے۔ کھوڑا شہر کسی دور میں اسلام اور اہل اسلام کا مرکز تھا۔ لیکن اس وقت اسلام سے دوری کے باعث یہاں بدعات بہت زیادہ ہیں۔ جامعہ حمادیہ جہاں مولانا محمد رمضان صاحب صدر مدرس ہیں، وہ واحد مدرسہ ہے جس کی وجہ سے علاقے میں روشنی کی کرن ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ یہ مدرسہ مالی اعتبار سے خستہ حالت کا شکار ہے، مدرسے کے ساتھ مسجد کی حالت بھی خستہ ہے۔ تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے کی تعمیر شدہ مسجد ہے۔ مدرسے کے مہتمم صاحب اور مولانا محمد رمضان صاحب ہماری آنے پر بہت زیادہ خوش ہوئے۔ ان کی خوشی دیکھکر ہمیں خود مسرت محسوس ہورہی تھی۔

رات کو طے ہوا کہ صبح کی نماز پڑھ کر مولانا محمد رمضان صاحب کے ساتھ پیر جو گوٹھ چلیں گے۔ یہاں بتاتا چلوں کہ مولانا محمد رمضان صاحب حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کے دوست ہیں اور بہت گہرے تعلقات ہیں۔ پیر جو گوٹھ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے پہنچے۔ پیر جو گوٹھ جانے کی وجہ پیر صاحب پگارا کا مدرسہ اور لائبریری دیکھنی تھی۔ مدرسے میں مدرسے کے مہتمم مفتی محمد رحیم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مفتی صاحب کی شخصیت کے بارے میں کافی کچھ سنا تھا، ملاقات ہوئی تو اندازہ ہوا کہ مفتی صاحب جہاندیدہ شخصیت ہیں۔ پیر صاحب کے مدرسے اور لائبریری کو دیکھکر نہایت خوشی ہوئی۔ مدرسے کی عمارت، رہائش، طعام وغیرہ جدید نوعیت کا ہے۔ مدرسے میں دوڈھائی سو شاگرد مقیم ہیں۔ سالانہ بجٹ بیس لاکھ روپے ہے۔ مدرسے کی لائبریری کا شعبہ خوبصورت ہے، جس میں ہر وقت لائبریرین موجود رہتا ہے۔ لائبریری میں

قرآن مجید کے ڈھائی تین درجن کے قریب قلمی نسخے موجود ہیں، جو اچھی حالت میں ہیں۔

عاجز اور محمد عرفان صاحب بارہ بجے تک قلمی نسخوں پر کام کرتے رہے۔ مولانا محمد رمضان صاحب نے ہمارے کام میں بہت زیادہ معاونت کی۔ سیاست کے ساتھ ساتھ پیر صاحب پگارا کا دینی کام دیکھ کر خوشی ہوئی کہ موصوف مدرسے اور لائبریری پر سالانہ لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ کاش دوسرے پیر اور وڈیرے بھی اس طرف توجہ دیں تو دین کے تحفظ اور فروغ کا بڑا کام ہوسکتا ہے۔ کام کی تکمیل کے بعد ہم نے مفتی محمد رحیم صاحب سے اجازت لیکر خیرپور آئے۔ خیرپور میں مولانا محمد رمضان صاحب کے ساتھ روہڑی کا پروگرام بنا۔ روہڑی میں مولانا عبدالوھاب چاچڑ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ قرآن مجید کا ایک قلمی نسخہ مولانا موصوف کے پاس موجود ہے۔ مولانا سے معلوم ہوا کہ روہڑی میں کئی پرانے خاندانوں کے پاس قرآن مجید کے قلمی نسخے موجود ہیں، لیکن انہیں دکھانے پر آمادہ کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ کچھ دیر مولانا عبدالوھاب چاچڑ صاحب سے بات چیت ہوئی۔ وہ پچھلے ۱۲ سال سے ''شریعت'' کے نام سے باقاعدہ ماہانہ رسالہ نکال رہے ہیں۔ وہ یہ رسالہ کسی جماعت اور مضبوط ادارہ کے تعاون کے بغیر نکال رہے ہیں۔ رسالہ کے مواد اور پالیسی سے اختلاف رائے ہوسکتا ہے۔ لیکن مولانا کی، ہمت اور استقامت کو داد دیئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

مولانا عبدالوھاب چاچڑ صاحب سے رخصت ہوکر ہم سکھر آئے۔ سکھر میں مولانا محمد مراد صاحب سے ملاقات کے لئے منزل گاہ مدرسہ آئے۔ لیکن معلوم ہوا کہ مولانا موصوف حضرت مولانا عبداللہ درخواستی مرحوم کے جنازے میں شرکت کے لئے خانپور تشریف لے گئے ہیں۔ اس کے بعد پروفیسر اسداللہ بھٹو صاحب سے ملاقات کے لئے اسلامک سینٹر آئے۔ لیکن

اسداللہ صاحب کسی تقریب میں شرکت کے لئے کوئٹہ گئے ہوئے تھے۔ اسداللہ صاحب کے پاس مولانا اطہر مبارک پوری کی سندھ اور ہند کی ممتاز اسلامی شخصیتوں پر عربی میں لکھی ہوئی کتاب موجود ہے، ہمیں وہ کتاب دیکھنی تھی۔ رات خیر پور میں قیام ہوا۔ صبح کو مولانا محمد رمضان صاحب ہم سے رخصت ہو کر کھوڑا کے لئے روانہ ہوئے۔ ہم سچل لائبریری میں استفادہ کے لئے آئے۔ سچل گورنمنٹ لائبریری سندھ کی مشہور لائبریریوں میں شمار ہوتی ہے۔ لائبریری میں ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں۔ لائبریری میں ۱۵ سو کے لگ بھگ قلمی نسخے بھی موجود ہیں۔ یہ لائبریری میر فیض محمد صاحب نے ۱۹۰۳ع میں "فیض محمد امام" کے نام سے قائم کی تھی۔ مختلف مراحل اور ناموں کی تبدیلی سے گذرتے ہوئے اب یہ "سچل سرمست سندھ گورنمنٹ لائبریری" کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں قرآن مجید کی دیڑھ درجن سے زیادہ تفاسیر اور قلمی نسخے موجود ہیں۔ میں اور محمد عرفان صاحب شام کو سات بجے تک نسخوں پر کام کرتے رہے۔ لائبریری میں سندھی نوجوانوں کا رجوع دیکھکر خوشی ہوئی۔ لائبریری کی تقریباً ساری کرسیاں نوجوانوں سے بھری ہوئی تھیں۔

خیر پور میں رات رہ کہ صبح ہم میرپور ماتھیلو کے لئے روانہ ہوئے، میرپور ماتھیلو میں محمد عظیم سومرو صاحب کے ہاں اپنے پردادا دادا اور والد صاحب کے ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے موجود تھے۔ وہاں ہم صبح آٹھ بجے پہنچے۔ محترم محمد عظیم صاحب کے والد صاحب ممتاز عالم دین تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے۔ ان کا قرآن مجید کا سندھی ترجمہ محترم جناب ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب کی کوششوں سے ھجرہ کمیٹی کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ محترم محمد عظیم صاحب نے تینوں قلمی نسخے دکھائے، محمد عظیم صاحب نے بتایا کہ ان کے دادا نے ۱۸۴۰ سے قومی، ملی

اور ذاتی حالات وواقعات کے بارے میں روزانہ ڈائری لکھنی شروع کی تھی، اس تسلسل کو دادا اور والد صاحب نے بھی جاری رکھا۔ ۱۸۴۰ع سے لیکر اب تک ہمارے ہاں روزانہ کے حالات پر مشتمل ڈائریاں موجود ہیں۔ میرپور ماتھیلو سے فارغ ہوکر ہم گھوٹکی آئے۔ گھوٹکی میں پیر خلیل احمد شاہ صاحب کے بارے میں معلوم ہوا کہ موصوف کے پاس قرآن مجید کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ شاہ صاحب سے ان کی بیٹھک میں ملاقات ہوئی۔ باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب کے خلیفے حضرت پیر فخرالدین شاہ صاحب اور حضرت پیر شیر محمد صاحب موصوف کے دادا ہوتے ہیں۔ پیر خلیل احمد شاہ صاحب سے اس حوالہ سے بھی ملاقات کر کے خوشی ہوئی کہ بزرگ خاندان کی شخصیت کی زیارت ہوئی۔ لیکن حضرت پیر فخرالدین شاہ صاحب کے قائم کردہ دینی مدرسہ کی حالت زار دیکھکر دکھ ہوا۔ مدرسہ کی عمارت گرنے کے قریب تھی۔ محترم خلیل احمد شاہ صاحب کو مدرسہ کی از سر نو تعمیر کی فکر تھی، لیکن انہیں شکایت تھی کہ سندھ کا خوشحال اور مالدار طبقہ دینی کاموں میں تعاون کے لئے بالکل تیار نہیں۔ خلیل احمد شاہ صاحب کے پاس بزرگوں کے لکھے ہوئے قرآن شریف کے تین قلمی نسخے موجود تھے، جو بہت خوبصورت تھے۔ وہاں دوران گفتگو معلوم ہوا کہ گھوٹکی، میرپور ماتھیلو اور اباڑو وغیرہ کی تجارت پر ۸۰ فی صد سے زائد ہندوؤں کا قبضہ ہے اور پاکستان اور سندھ سے ان کی دلچسپی کمانے کی حد تک محدود ہے۔ وہ اپنی ساری کمائی ہندستان بھیج دیتے ہیں اور ان کے بیشتر نوجوان ہندستان چلے جاتے ہیں۔ جب کہ یہاں کا کاروبار عمر رسیدہ ہندو سنبھالتے ہیں۔

پیر خلیل احمد شاہ صاحب سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے کافی قلمی نسخے ہنگورا میں محترم جناب شاہ محمد شاہ صاحب کے ہاں موجود ہیں۔ شاہ محمد شاہ صاحب چند سال پبلک سکول میرپور خاص میں پرنسپل کے حیثیت سے

کام کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ کے چیرمین بھی رہے۔ شاہ صاحب کی ایک خوبی یہ ہے کہ موصوف بیسویں صدی میں ہندستان کے اہم قومی، ملی اور دینی شخصیتوں اور تحریکوں کے بارے میں کافی معلومات رکھتے ہیں۔ بلکہ ہندستان کی ملک گیر متعدد ممتاز شخصیتوں سے ان کی ذاتی ملاقاتیں اور تعلقات رہے ہیں۔ ان ملاقاتوں اور تعلقات کے حوالہ سے سیکڑوں واقعات ان کے ذہن میں محفوظ ہیں۔ شاہ صاحب ۱۹۴۰ع سے اب تک روزانہ پابندی سے ڈائری لکھتے ہیں۔ جس میں ذاتی واقعات کے علاوہ اہم قومی اور ملکی واقعات بھی تحریر کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح شاہ صاحب تقریباً پچاس سے زائد ڈائریاں مکمل کر چکے ہیں۔ شاہ محمد صاحب کے روزمرہ حالات کے حوالہ سے مرتب کردہ یہ ڈائریاں قومی اور ملی تاریخ کا اہم سرمایہ ہیں۔

شاہ محمد شاہ صاحب کی ذاتی لائبریری میں مختلف موضوعات پر کتابوں کا انتخاب بھی اچھا ہے۔ ان کی لائبریری میں ۱۹۲۰ع سے شائع شدہ کتابوں کا قیمتی ذخیرہ موجود ہے۔ بالخصوص ۱۹۴۰ع سے ہندستان کے مختلف شہروں سے شائع ہونے والے دینی رسائل کے فائل شاہ صاحب کے ہاں بہتر حالت میں موجود ہیں۔ قرآن مجید کے قلمی نسخے بھی شاہ صاحب کے ہاں محفوظ حالت میں موجود تھے، جو دس بارہ تھے۔ بعض نسخے بہت خوبصورت تھے۔

شاہ صاحب سے رخصت ہو کر ہم سکھر پہنچے۔ رات سکھر رہے۔ صبح شکارپور کے لئے روانہ ہوئے۔ شکارپور میں کچھ وقت مدرسہ دارالقرآن میں ٹھہرے۔ مدرسہ دارالقرآن میں پچھلے چالیس سال سے سیکڑوں طلبہ حفظ قرآن کر چکے ہیں۔ اس وقت بھی پچاس طلبہ حفظ کررہے ہیں۔ ہمارے ساتھی محمد موسیٰ بھٹو صاحب بھی اس مدرسہ سے حفظ قرآن کر چکے ہیں۔ شکارپور میں پروفیسر عبدالرحمن جتوئی صاحب کے ہاں ان کے بزرگوں کا قرآن مجید کا قلمی نسخہ موجود تھا۔ جس کے فوٹو لئے۔ پروفیسر عبدالرحمن جتوئی صاحب سے معلوم ہوا کہ جیکب

آباد میں محمد بخش انصاری صاحب ریٹائرڈ ڈی - ای - او کے پاس پانچ سات قرآن مجید کے پرانے نسخے موجود ہیں، اس لئے جیکب آباد کا پروگرام بنانا چاہیئے۔ سکھر سے ہم جو پروگرام بنا کر نکلے تھے، وہ یہ تھا کہ شکارپور میں پروفیسر امین اللہ علوی صاحب کے ہاں سے ہو کر لاڑکانہ جائیں گے۔ لاڑکانہ سے میہڑ، میہڑ کے بعد حیدرآباد۔ لیکن جتوئی صاحب کی اس معلومات کے بعد جتوئی صاحب کے ہمراہ ہم جیکب آباد کے لئے روانہ ہوئے۔ جیکب آباد میں محترم محمد بخش انصاری صاحب سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ موصوف کے پاس قرآن مجید کے تقریباً سو قلمی نسخے موجود ہیں۔ اس لئے جیکب آباد میں زیادہ رکنا پڑا۔ ہم جیکب آباد میں ایک بجے کے قریب پہنچے، جیکب آباد میں غضب کی گرمی تھی، مزید مصیبت یہ کہ ہر آدھے گھنٹہ میں بجلی غائب ہوتی رہی۔ مسلسل سفر کی تھکاوٹ کے باوجود الحمدللہ محمد عرفان صاحب اور میں مسلسل نسخوں پر کام کرتے رہے۔ رات دیر تک کام کرتے رہے۔ اگلے روز صبح کی نماز کے بعد دس بجے جا کر کام مکمل ہوا۔ انصاری صاحب کے پاس ویسے تو سو کے قریب نسخے تھے، لیکن جو نسخے محفوظ اور بہتر حالت میں تھے وہ ۴۱ تھے۔ جیکب آباد میں سابق صوبائی وزیر تعلیم در محمد اوستو صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ موصوف حضرت دادا ابا (حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب) سے عقیدت کا تعلق رکھتے ہیں، ان کی طبیعت دیکھکر دکھ ہوا۔ وہ عمر کے اس مرحلہ میں ہیں، جہاں جسم اور جان کی ہر چیز جواب دے جاتی ہے (واضح ہو کہ ملاقات کے کوئی ایک ڈیڑھ ماہ کے بعد موصوف کا انتقال ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون)

اس کے بعد ہم ہمایوں آئے۔ ہمایوں کے بزرگوں کے لکھے ہوئے قلمی نسخے ان کے خاندان کے افراد کے پاس موجود ہیں۔ لیکن ان کے خاندان کے افراد احتیاط کے خیال سے دکھانے میں پس و پیش کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اب تک باہر سے جو بھی افراد نسخوں کے لئے آتے رہے ہیں

ہیں۔ قمر الدین کلہوڑو صاحب کے پاس ایک قلمی نسخہ کلہوڑو حکمران میاں یار محمد کلہوڑو کا موجود تھا، جو انہیں خاندانی ورثے میں منتقل ہوا ہے۔ نہایت خوبصورت نسخہ ہے۔

قمر الدین عباسی صاحب سے ''کچہری'' کر کے ہم تین بجے میہڑ کے لئے روانہ ہوئے۔ میہڑ میں ہمیں مدرسہ عربیہ دارالقرآن کے مہتمم مولانا کریم بخش صاحب سے ملنا تھا۔ مولانا کریم بخش مگسی صاحب سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ موصوف سندھ کے ان بزرگوں کی نشانی ہیں، جو ظاہری دینی علوم کے ساتھ باطنی علوم و فنون میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ مولانا موصوف گلے لگا کر ملے تو ان کا دل تیزی سے دھڑکتا ہوا، بلکہ اچھلتا ہوا محسوس ہوا۔ ہم تینوں ساتھیوں کو اس پر حیرت ہوئی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ قلبی ذکر کے سلسلہ میں ان کی مشقیں بہت زیادہ ہیں۔ اسے خدا کا فضل خاص کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا۔ مولانا کریم بخش صاحب مدرسہ میں پچھلے ۲۷ سال سے مہتمم اور استاد کی حیثیت سے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ رات دیر تک ان کا اسباق کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ عمر رسیدگی کے باوجود حدیث اور فقہ کی تعلیم سے ان کا ذوق و شوق روزافزوں ہے۔ ۲۷ سال کے عرصہ میں مدرسہ سے پانچ سو سے زائد قرآن مجید کے حافظ تیار ہو چکے ہیں۔ اور سوا سو سے زائد طلبہ درس نظامی سے فراغت حاصل کر چکے ہیں۔ اس وقت بھی مدرسہ میں ۸۰ شاگرد حفظ قرآن اور درس نظامی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مدرسہ دار القرآن کی عمارت کی حالت زار دیکھکر نہایت دکھ ہوا۔ تعلیم کے لئے کل دو کمرے ہیں ایک کمرہ تو گرنے کے قریب ہے، اس لئے وہ ناقابل استعمال ہے۔ ستر اسی طلبہ کی تعلیم کے لئے صرف ایک کمرہ ہے۔ تین چار اساتذہ ہیں۔ چونکہ مدرسہ کے لئے روایتی طور پر چندہ کرنے کا انتظام نہیں۔ مدرسہ کی مستقل آمدنی بھی نہیں۔ اساتذہ کی تنخواہ حضرت مولانا کریم بخش صاحب اپنی جیب سے ادا کرتے ہیں۔ مولانا کو

ہیں۔ قمر الدین کلہوڑو صاحب کے پاس ایک قلمی نسخہ کلہوڑو حکمران میاں یار محمد کلہوڑو کا موجود تھا، جو انہیں خاندانی ورثے میں منتقل ہوا ہے۔ نہایت خوبصورت نسخہ ہے۔

قمر الدین عباسی صاحب سے "پکھری" کر کے ہم تین بجے میہڑ کے لئے روانہ ہوئے۔ میہڑ میں ہمیں مدرسہ عربیہ دارالقرآن کے مہتمم مولانا کریم بخش صاحب سے ملنا تھا۔ مولانا کریم بخش نگسی صاحب سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ موصوف سندھ کے ان بزرگوں کی نشانی ہیں، جو ظاہری دینی علوم کے ساتھ باطنی علوم وفنون میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ مولانا موصوف گلے لگا کر ملے تو ان کا دل تیزی سے دھڑکتا ہوا، بلکہ اچھلتا ہوا محسوس ہوا۔ ہم تینوں ساتھیوں کو اس پر حیرت ہوئی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ قلبی ذکر کے سلسلہ میں ان کی مشقیں بہت زیادہ ہیں۔ اسے خدا کا فضل خاص کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا۔ مولانا کریم بخش صاحب مدرسہ میں پچھلے ۲۷ سال سے مہتمم اور استاد کی حیثیت سے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ رات دیر تک ان کا اسباق کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ عمر رسیدگی کے باوجود حدیث اور فقہ کی تعلیم سے ان کا ذوق وشوق روز افزوں ہے۔ ۲۷ سال کے عرصہ میں مدرسہ سے پانچ سو سے زائد قرآن مجید کے حافظ تیار ہو چکے ہیں۔ اور سوا سو سے زائد طلبہ درس نظامی سے فراغت حاصل کر چکے ہیں۔ اس وقت بھی مدرسہ میں ۸۰ شاگرد حفظ قرآن اور درس نظامی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مدرسہ دار القرآن کی عمارت کی حالت زار دیکھکر نہایت دکھ ہوا۔ تعلیم کے لئے کل دو کمرے ہیں ایک کمرہ تو گرنے کے قریب ہے، اس لئے وہ ناقابل استعمال ہے۔ ستر اسی طلبہ کی تعلیم کے لئے صرف ایک کمرہ ہے۔ تین چار اساتذہ ہیں۔ چونکہ مدرسہ کے لئے روایتی طور پر چندہ کرنے کا اہتمام نہیں۔ مدرسہ کی مستقل آمدنی بھی نہیں۔ اساتذہ کی تنخواہ حضرت مولانا کریم بخش صاحب اپنی جیب سے ادا کرتے ہیں۔ مولانا کو

جامع مسجد کے خطیب کی حیثیت سے محکمہ اوقاف کی طرف سے جو تنخواہ ملتی ہے، موصوف وہ تنخواہ اساتذہ پر خرچ کرتے ہیں۔ اس صورتحال سے اندازہ لگائیے کہ دینی تعلیم کے ساتھ ہمارا رویہ کس قدر افسوسناک بلکہ اذیتناک ہے۔ مدارس جو معاشرے میں مذہب اور مذہبی روایات کو قائم رکھنے کا اہم ذریعہ ہیں، انہیں قائم اور زندہ رکھنے میں عدم تعاون کا مظاہر کر کے ہم در اصل اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑا مار رہے ہیں۔

حضرت مولانا کریم بخش صاحب کا تعلق نقشبندی سلسلہ سے ہے۔ موصوف چشتموی بزرگ آغا عبدالحی جان کے خلیفہ ہیں۔ لیکن پڑھنے پڑھانے کے رنگ کے غلبہ اور لوگوں کی ذکر و اذکار کے رجحان کی کمی کی وجہ سے موصوف پیری مریدی کے سلسلہ کو جاری رکھنے کے قائل کم ہی ہیں۔ ہم شام کے وقت مدرسہ میں پہنچ گئے تھے۔ محمد عرفان صاحب اور میں قرآن مجید کے قلمی نسخوں کے مطالعہ اور نوٹس کے کام میں لگ گئے۔ حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب میہڑ کے اہل علم سے تبادلہ خیال میں مصروف ہو گئے۔ میہڑ میں سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ کی کتابیں اور ماہانہ بیداری (جس کے حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب مدیر ہیں) کافی پڑھا جاتا ہے۔ چنانچہ علم دوست افراد کا کافی حلقہ جمع ہو گیا۔ میہڑ کے مشہور دانشور محمد نواز مخزون صاحب بھی تشریف لائے۔ چنانچہ رات دیر تک حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کی ان افراد سے نشست رہی۔

حضرت مولانا کریم بخش صاحب کے پاس قرآن مجید کے ۲۵ قلمی نسخے موجود تھے۔ جو تقریباً سب کے سب محفوظ حالت میں تھے۔ اگلے روز نومبر کی صبح کو تقریباً ۱۱ بجے فارغ ہو گئے۔ مولانا کریم بخش صاحب سے محمد پور اوڈھو کے زمیندار جناب نبی بخش اوڈھو صاحب کے نام خط لیکر ہم محمد پور کے لئے روانہ ہوئے۔

''وارہ'' آئے تو مشورہ ہوا کہ بیر شریف چلا جائے۔ بیر شریف میں حضرت مولانا عبدالکریم قریشی صاحب کے قریبی عزیز کے ہاں قرآن مجید کا ایک نادر قلمی نسخہ موجود ہے۔ ہم بیر شریف ایک بجے پہنچ گئے۔ حضرت مولانا عبدالکریم قریشی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مولانا موصوف حضرت مولانا حماداللہ ہالیجوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ سندھی آبادی میں اس وقت روحانی فیض رسانی کے نقطہ نگاہ سے سب سے زیادہ مؤثر سلسلہ حضرت مولانا عبدالکریم قریشی صاحب کا ہے۔ حضرت مولانا تاج محمود امروٹی اور حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے سندھ میں جو حلقہ وجود میں آیا تھا۔ یہ سارا حلقہ مولانا کے ساتھ وابستہ ہے۔

بیر شریف میں قلمی نسخہ کے عکس لینے اور متعلقہ معلومات نوٹ کرنے کے بعد ہم تقریباً سوا ایک بجے محمد پور اوڈھو کے لئے روانہ ہوئے۔ چونکہ محمد پور اوڈھو کا راستہ لاڑکانہ، نوڈیرو اور رتوڈیرو سے ہوتے ہوئے جاتا ہے، اس لئے لاڑکانہ اور رتوڈیرو سے ہو کر ہم عصر اور مغرب کے درمیان محمد پور اوڈھو پہنچے۔ محمد پور میں نبی بخش اوڈھو صاحب جو یہاں کے بڑے زمیندار شمار ہوتے ہیں۔ موصوف سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ان کی ذاتی لائبریری میں قرآن مجید کے تقریباً ۸۰ نسخے موجود ہیں۔ لائبریری ان کے والد صاحب کی قائم کردہ ہے۔ لائبریری میں اردو کتابوں کا بھی کافی ذخیرہ موجود تھا۔ ساری کتابیں اسلام کی تعبیر و تشریح پر مشتمل تھی اور وقت کے اہم مفکروں اور دانشوروں کی کتابیں تھیں۔

میں اور محمد عرفان صاحب تو اپنے کام میں لگ گئے۔ حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کی محترم جناب نبی بخش اوڈھو صاحب سے ''کچہری'' ہوتی رہی۔ نبی بخش اوڈھو صاحب نے اپنی زندگی کے واقعات بیان کرتے ہوئے بتایا، جب تک والد صاحب زندہ رہے وہ آزادی اور بے پرواہی کی زندگی

گذارتے رہے۔ سال کے چھ آٹھ ماہ مغربی اور یورپی ملکوں میں تفریح میں وقت گذارنا، ان کا معمول تھا، خوشحالی کی وجہ سے آزاد زندگی گذرتی ہے۔ اس عرصہ میں آج سے کوئی دس سال پہلے ہمارے خاندان کے بزرگ نقشبندی سلسلہ کے چشموی بزرگ آغا فخر الدین صاحب نے خط لکھا کہ آپ مجھ سے آکر مل لیں۔ بزرگ سے ملاقات اور صحبت کیا ہوئی کہ زندگی کا نقطہ نگاہ ہی تبدیل ہونا شروع ہوا اور مادی تہذیب سے بیزاری پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ نماز شروع ہو گئی اور دل میں ایمان کا نور محسوس ہونا شروع ہوا۔ اس وقت سے حالت یہ ہے کہ ہر ھفتے جمعہ کی نماز چشموی بزرگ آغا فخر الدین صاحب کے ہاں پڑھتا ہوں۔ بزرگ سال کے تین چار ماہ شکار پور میں ہوتے ہیں۔ باقی وقت کوئٹہ میں۔ میں مہینہ میں دو ر چار روز ان کی صحبت میں ضرور رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو زندگی کا لطف متاثر ہوتا ہے اور روحانی حالت متاثر ہونے لگتی ہے۔ محترم جناب نبی بخش اوڈھو صاحب نے بتایا کہ میں جب اپنی پہلی اور اب کی زندگی کا تقابلی مطالعہ کرتا ہوں تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ موصوف نے یہ بھی بتایا کہ وہ عشا کی نماز پڑھکر جلد سونے اور جلد اٹھنے کے عادی ہیں۔ چاہے کچھ بھی ہو، عام طور پر اس معمول میں فرق نہیں آتا۔ نبی بخش اوڈھو صاحب کے فرزند طارق اوڈھو صاحب دو دن تک ہماری خدمت کرتے رہے۔ ان پر بھی چشموی بزرگ کی صحبت کا رنگ غالب ہے۔ وہ دو دن تک اپنے بزرگ کی بزرگی اور علمیت کے واقعات بیان کرتے رہے۔

نبی بخش اوڈھو صاحب کے قریبی عزیز حاجی غلام نبی اوڈھو صاحب کے ہاں بھی قرآن مجید کے پانچ چھ قلمی نسخے موجود تھے۔ ان میں ایک نسخہ چوتھی صدی ہجری کا تھا، جو غلام نبی صاحب کے دادا نے آج سے ۱۰۸ سال پہلے ایک شخص سے سات سو روپے میں لیا تھا۔ جس کے شاہدوں میں حضرت مولانا تاج محمود امروٹی بھی شامل تھے، یہ معاہدہ اور شاہدوں کے نام

قرآن مجید کے آخری خالی صفحہ پر بیان کئے گئے ہیں۔ ایک قلمی نسخہ اردو ترجمہ کا بھی تھا، اردو ترجمہ دو سو سال پہلے کا تھا۔ محمد پور میں ہمیں دو راتیں قیام کرنا پڑا۔ ۹ نومبر کو صبح کی نماز پڑھکر ہم محمد پور سے روانہ ہوئے۔ تقریباً دس بجے ہم جندوڈیرو پہنچے۔ جندوڈیرو حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کا گاؤں ہے۔ سندھ میں اسلامی دعوت کے داعی مولانا جان محمد بھٹو مرحوم بھی یہاں کے تھے۔

جندوڈیرو میں گھنٹہ ڈیڑھ رکنے کے بعد ہم شکارپور کے لئے روانہ ہوئے۔ ۱۲ بجے شکارپور پہنچ گئے۔

شکارپور میں پروفیسر اسرار احمد علوی صاحب سے مولانا محمد اسماعیل عودوی صاحب کی قرآن مجید کی عربی زبان میں لکھی گئی لغت کی کتاب لینی تھی۔ موصوف سے ملاقات ہوئی تو ان کے برادر عزیز پروفیسر امین اللہ علوی صاحب نے بتایا کہ نقشبندی سلسلہ کے چشموی بزرگ آغا فخر الدین صاحب آج کل یہیں شکارپور میں قیام پذیر ہیں۔ ہمیں ان سے ملاقات اور زیارت کا اشتیاق تھا۔ چنانچہ پروفیسر اسرار احمد صاحب سے کتاب لے کر دونوں پروفیسر صاحبان کے ہمراہ ہم چشموی بزرگ کی قیام گاہ پر آگئے۔ موصوف سے ملاقات کر کے خوشی حاصل ہوئی۔ موصوف پر روحانیت سے زیادہ علمی رنگ غالب ہے۔ علمی سوال یا علمی مسئلہ پر موصوف تفصیل سے گفتگو فرماتے ہیں، تاکہ ذہنی اطمینان حاصل ہوسکے۔ ہم تقریباً پون گھنٹہ ان کی مجلس میں رہے۔ ان کی علمی گفتگو سے کافی کچھ حاصل ہوا۔ ان کا کہنا تھا کہ سندھی آبادی میں اسلامی دعوت و تبلیغ کا انتظام نہ ہونے کے برابر ہے۔ بد قسمتی سے سندھ کا مذہبی طبقہ بریلویت اور دیوبندیت کے مسائل کا شکار ہے، جس کی وجہ سے ان کی صلاحیتیں غیر ضروری مسائل اور غیر اہم بحثوں میں صرف ہو رہی ہیں، اس وقت عام آبادی اور نوجوانوں کو دین کی طرف راغب کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ ہم تقریباً ایک بجے بزرگ موصوف سے رخصت ہو کر سکھر کیلئے

روانہ ہوئے۔ سکھر سے مولانا عبدالوہاب چاچڑ صاحب سے ملاقات کے لئے روہڑی آئے۔ مولانا سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ روہڑی میں تو قرآن مجید کے قلمی نسخوں کے سلسلہ میں معلومات نہیں ہوسکی ہے، البتہ روہڑی سے ۲۹ میل کے فاصلے پر سنگرار قصبہ میں محترم محمد پریل صاحب کے ہاں قرآن مجید کے پانچ سات قلمی نسخے موجود ہیں۔ ہم مولانا سے ڈھائی تین بجے رخصت ہوکر سنگرار کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ہم سوچتے رہے کہ شاید سنگرار میں رات کی رہائش کا انتظام نہ ہوسکے۔ اس لئے سنگرار سے قرآن مجید کے قلمی نسخوں کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرکے واپس سکھر آئیں گے۔ سکھر میں رات رہکر صبح کو پھر سنگرار جائیں گے۔ لیکن محترم محمد پریل صاحب سے ملاقات ہوئی تو اندازہ ہوا کہ جیسے موصوف ہمارے منتظر ہیں۔ دیہاتی لوگ ویسے بھی مہمان نواز ہوتے ہیں۔

محترم جناب محمد پریل صاحب عربی، انگریزی اور فارسی زبانیں جانتے ہیں۔ ان کی لائبریری میں کتابوں کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ ان کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ وہ برصغیر ہند کی اہم اور نمایاں علمی شخصیتوں اور ان کے فکر سے واقف ہیں اور برصغیر ہند میں پچھلے سوڈیڑھ سو سال میں علمی دنیا میں جو مدو جزر ابھرے ہیں۔ ان پر ان کی نگاہ ہے۔ موصوف کے پاس قرآن مجید کے سات آٹھ قلمی نسخے موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ خیرپور ریاست کے میر حکمرانوں کا ایک اہم قلمی نسخہ کندھار قصبہ میں مشتاق احمد صاحب کے پاس موجود ہے۔ انتہائی اہم تاریخی نسخہ ہے۔ موصوف نے اس کا نہایت تاریخی پس منظر بھی بتایا۔ رات قیام کرکے ہم صبح کی نماز پڑھکر جناب محمد پریل صاحب کے ہمراہ کندھار کے لئے روانہ ہوئے۔ کندھار میں ہم صبح ساڑھے آٹھ بجے پہنچ گئے۔ قرآن مجید کا مذکورہ قلمی نسخہ نہایت خوبصورت تھا۔ معلوم ہورہا تھا کہ یہ قلمی نسخہ کسی باذوق فرد نے بڑی رقم خرچ کرکے غیر معمولی محنت سے تیار

کرایا ہے۔

کندھار سے فارغ ہو کر ہم ڈھرکی کے لئے روانہ ہوئے۔ ڈھرکی میں حضرت پیر عبدالخالق صاحب بھرچونڈی کی لائبریری میں قرآن مجید کے قلمی نسخوں کا معلوم ہوا تھا۔ ڈہرکی ہم ۱۱ بجے کے قریب پہنچ گئے۔ عبدالقدیر کاجوں صاحب (جو محمد موسیٰ بھٹو کے دوست ہیں) کے ذریعہ حضرت پیر صاحب کو پہلے سے اطلاع کردی گئی تھی۔ پیر عبدالخالق بھرچونڈی صاحب بڑی محبت سے ملے، ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ اس اعتبار سے بھی کہ موصوف سجادہ نشین اور زمینداری کی مصروفیات کے باوجود کتابوں سے از حد شوق رکھتے ہیں اور صاحب علم اور صاحب ادب افراد ان کے مصاحبین میں شامل ہیں۔ حافظ محمد صدیق بھرچونڈی رحمتہ اللہ علیہ کے سندھ پر زبردست احسانات ہیں۔ حضرت مولانا تاج امروٹی محمود رحمتہ اللہ علیہ ان کے، تربیت یافتہ اور خلیفہ تھے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کی ابتدائی تربیت بھی انہوں نے فرمائی تھی۔ حضرت عبدالخالق بھرچونڈی صاحب رواداری کے معاملہ میں اپنے جد امجد کی مثال نظر آئے۔ انہوں نے ہماری پر تکلف دعوت کی۔ ان کی لائبریری میں قرآن مجید کے ڈیڑھ درجن کے قریب قلمی نسخے موجود تھے۔ ہم ساڑھے تین بجے تک نسخوں پر کام کرتے رہے۔ اس کے بعد ہم پیر صاحب سے رخصت ہو کر سکھر آئے۔ رات سکھر رہ کر صبح دس بجے ہم قاضی احمد کے لئے روانہ ہوئے۔ دوپہر کی نماز ہم نے کنڈیارو میں حضرت پیر محمد طاہر عرف سجن سائیں کی مسجد میں پڑھی۔ درگاہ اللہ آباد میں حضرت پیر الہٰ بخش رحمتہ اللہ علیہ کا سالانہ عرس ہو رہا تھا۔ ملک بھر سے سجن سائیں کے مریدین آئے ہوئے تھے۔ عرس میں آٹھ دس ہزار کے قریب مجمع تھا۔ ہم کچھ دیر تقریر سننے کے بعد قاضی احمد کے لئے روانہ ہوئے۔ قاضی احمد میں شام کو ساڑھے سات بجے کے قریب پہنچے۔ قاضی احمد میں وہاں کے مشہور زمیندار رئیس علی نواز انڑ

صاحب کی لائبریری میں قرآن مجید کے کچھ قلمی نسخے موجود تھے۔ وہ دیکھنے کے لئے ہم رات قاضی احمد میں ٹھہر گئے۔ رئیس علی نواز انڑ صاحب جو علاقہ کے بااثر اور بڑے زمیندار ہیں، وہ ذوق و شوق کے معاملہ میں سندھ کے زمینداروں سے کئی معاملات میں مختلف ہیں۔ قاضی احمد شہر میں کئی ایکڑوں پر مشتمل ان کا قائم کردہ پارک اور باغ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ لوگ دور دور سے یہ باغ دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ موصوف نے یہ باغ ۱۹۴۰ء میں قائم کیا تھا۔ بعد میں اس میں توسیع ہوتی رہی۔ پارک کے ساتھ رئیس صاحب نے شاندار مسجد بھی بنوائی ہے اور اس کے ساتھ دارالعلوم بھی قائم کیا ہے۔ موصوف نے مسجد اور مدرسہ پر دل کھول کر خرچ کیا ہے۔ ان کا قائم کردہ مدرسہ ۱۱ کمروں پر مشتمل ہے۔ مدرسہ ۱۹۸۰ء میں قائم ہوا تھا۔ ۱۹۸۶ء میں مدرسہ کا افتتاح امام کعبہ شیخ محمد عبداللہ بن سبیل سے کرایا گیا۔ مدرسہ کے مہتمم مولانا رضا محمد صاحب ہیں جو فاضل شخصیت ہیں۔

صبح کو ہم قرآن مجید کے عکس لینے اور مطلوبہ معلومات کے نوٹس لینے کے بعد مدرسہ کے مہتمم مولانا رضا محمد انڑ صاحب سے رخصت ہو کر سعید آباد آئے۔ سعید آباد سے متصل پیر جھنڈو حضرت مولانا پیر محب اللہ شاہ راشدی کا مرکز ہے۔ یہاں مدرسہ بھی ہے تو لائبریری بھی۔ پیر جھنڈو ایک زمانہ میں علم و فضل کا مرکز رہا ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی ۲۱ سالہ جلاوطنی کے بعد جب واپس آئے تو انہوں نے پیر جھنڈو کو ہی اپنا مرکز بنایا تھا۔ اور یہاں طلبہ ان سے اکتساب فیض کرتے رہے۔ پیر محب اللہ شاہ راشدی پیر بدیع الدین راشدی صاحب کے بڑے بھائی ہیں۔ اگرچہ موصوف کا تعلق اہل حدیث مسلک سے ہے، لیکن وہ قدرے معتدل موقف کے حامل ہیں۔ وہ نہ صرف ذکر و فکر کے قائل ہیں، بلکہ ذکر اللہ کو زندگی کی علامت تصور کرتے ہیں۔ پیری مریدی میں خرافات پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ اگرچہ اب اس سلسلہ کو زیادہ مفید تصور نہیں

کرتے، تاہم وہ اپنے بزرگوں کی آخری نشانی تصور کیے جاتے ہیں۔ حضرت پیر صاحب کی لائبریری میں پرانی دینی کتابوں (عربی و فارسی کتابوں) کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ قرآن مجید کے متعدد قلمی نسخے بھی موجود تھے۔ پیر صاحب کے صاحبزادے سید قاسم شاہ صاحب نے ہماری بڑی خدمت کی۔ ہم استفادہ کرنے کے بعد تقریباً ساڑھے ۱۱ بجے ان سے رخصت ہو کر سعید آباد شہر آئے۔ شہر میں پیر بدیع الدین شاہ صاحب کی لائبریری ہے۔ یہاں آئے تو معلوم ہوا کہ پیر صاحب تو حیدر آباد میں رہتے ہیں، البتہ ان کے خادم یہاں رہتے ہیں۔ لائبریری کھلوائی۔ الحمدللہ یہاں بھی عربی و فارسی کتابوں کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ قرآن مجید کے متعدد قلمی نسخے بھی موجود تھے۔ سعید آباد سے فارغ ہو کر ہم منصورہ آئے۔ منصورہ ہالا کے قریب سکھر حیدر آباد مین روڈ سے اندر دو میل کے فاصلے پر واقع بستی ہے۔ اس بستی میں ۱۹۵۰ء میں مولانا شفیع محمد نظامانی صاحب نے دینی درسگاہ قائم کی تھی۔ یہ درسگاہ جلد ہی شاہ ولی اللہ اورنٹیل کالج میں تبدیل ہوگئی۔ ملک بھر سے جدید و قدیم تعلیم کے شائق طلبہ یہاں آکر تعلیم حاصل کرنے لگے۔ پروفیسر محمد سلیم صاحب جیسی ممتاز علمی شخصیت ۱۳ سال تک کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے کام کرتی رہی۔ اس وقت یہاں باہر کے طلبہ کی تعداد تین سو کے قریب تھی۔ ان کی تربیت کا بہتر انتظام موجود تھا۔ ۱۹۷۲ء میں جب تعلیمی ادارے نیشنلائزڈ ہوئے تو شاہ ولی اللہ کالج بھی سرکاری تحویل میں چلا گیا۔ اس کے بعد مولانا جان محمد بھٹو صاحب کی کوششوں سے یہاں جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے نام سے دارالعلوم قائم ہوا۔ اس وقت جامعہ میں چار سو سے زائد طلبہ تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ دارالعلوم میں درس نظامی کی کتابیں شامل ہیں۔ ساتھ ساتھ انگریزی میں انٹر تک کے امتحانات بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ منصورہ کی لائبریری میں قرآن مجید کے چھ سات قلمی نسخے موجود تھے۔ جس کی ہم نے تفصیلات نوٹ کیں۔ دارالعلوم میں مولانا غلام سرور

بھٹو صاحب مولانا نور محمد صاحب اور عبدالغفار بھٹو صاحب نے ہماری بڑی خدمت کی۔ ہم تقریباً چار بجے کام سے فارغ ہوگئے۔

منصورہ سے ہم مٹیاری آئے۔ مٹیاری میں مولانا محمد ابراھیم صاحب کا مدرسہ ہے۔ موصوف کی لائبریری میں سندھ کے ممتاز علماء کی عربی و فارسی میں لکھی گئی کتابوں کے کافی قلمی نسخے موجود ہیں، جو سیکڑوں سے متجاوز ہیں۔ سندھی علماء نے ماضی میں جو علمی کام کیا ہے اور مختلف موضوعات پر جو تحقیقی کتابیں لکھی ہیں، بدقسمتی سے ان میں بیشتر کتابیں دستیاب نہیں۔ بس صرف کتابوں میں ان کے نام رہ گئے ہیں۔ اس اعتبار سے مولانا محمد ابراھیم صاحب کی لائبریری بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اہم اور نمایاں سندھی علماء کی کتابوں کا ذخیرہ یہاں موجود ہے۔ مولانا موصوف کا کہنا ہے کہ بزرگوں کا قلمی کتابوں کا یہ ذخیرہ ان کے والد صاحب اور دادا نے جمع کیا تھا۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب کی لائبریری میں قرآن مجید کے آٹھ دس قلمی نسخے بھی موجود تھے۔ ہم دو تین گھنٹے تک مولانا کی لائبریری میں کام کرتے رہے۔ شام کو ہم عشا کے قریب فارغ ہو کر حیدر آباد کے لئے روانہ ہوگئے۔

حیدر آباد سے ہماری اگلی منزل ٹھٹھ تھی۔ رات حیدر آباد رہ کر صبح کی نماز کے بعد ہم تینوں ساتھی ٹھٹھ کے لئے روانہ ہوئے۔ ٹھٹھ حیدر آباد روڈ پر سونڈا واقع ہے۔ سونڈا میں قاضی برادران کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان کے ہاں ان کے آباء و اجداد کے قرآن مجید کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ چنانچہ قاضی برادران سے ملاقات ہوئی۔ ان کی لائبریری میں دیگر مذہبی کتابوں کے علاوہ چار پانچ قلمی نسخے بھی موجود تھے۔ اس کی تفصیلات نوٹ کر کے ہم ان سے رخصت ہوئے۔ ٹھٹھ ہم ۱۲ بجے پہنچ گئے تھے۔ ٹھٹھ میں مولانا عبدالرحمن صاحب کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ ان کے پاس قرآن مجید کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ مولانا موصوف سے ان کے مدرسہ میں ملاقات ہوئی۔ مولانا

عبدالرحمن صاحب حضرت پیر محمد ابراہیم جان سرہندی کے حلقہ ارادت سے وابستہ ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور دارالعلوم میں مہتمم کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کے فرائض بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کے پاس قرآن مجید کے فارسی میں حواشی بھی موجود تھے۔ اور کچھ قلمی نسخے بھی۔ مولانا موصوف سے معلوم ہوا کہ حضرت پیر محمد مراد شاہ صاحب جو ٹھٹہ کے عظیم بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں، جو آٹھویں صدی کے بزرگ ہیں۔ ان کے ہاتھ کا قلمی نسخہ اور قرآن مجید کا فارسی ترجمہ ان کے خاندان کے لوگوں کے پاس موجود ہے۔ لیکن وہ آسانی سے نہیں دکھاتے۔ مولانا موصوف نے حضرت پیر محمد مراد شاہ صاحب کے خاندان کی موجودہ شخصیت محترم جناب محمد اسماعیل پگاڑو سے رابطہ رکھنے کی کوشش کی، لیکن معلوم ہوا کہ وہ اپنی زرعی اراضی پر چلے گئے ہیں۔ شام کو دیر سے آئیں گے۔ چنانچہ رات ہمیں مولانا کے مدرسہ میں قیام کرنا پڑا۔ صبح جناب محمد اسماعیل پگاڑو صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ ہم یہ نسخہ کسی کو نہیں دکھاتے۔ آپ ہمارے شہر کے معزز شخصیت کو ساتھ لے آئے ہیں، اس لئے دکھاتے ہیں۔ انہوں نے اس کا سبب یہ بتایا کہ یہ احتیاط ہم حفاظت کے نقطہ نگاہ سے کرتے ہیں۔ اگر ہم ایسا نہ کرتے تو اب تک یہ قدیم قلمی نسخہ شاید ضایع ہوجاتا۔ حضرت پیر محمد مراد شاہ صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ قلمی نسخہ ۲۵ سے ۳۰ کلووزن کے لگ بھگ تھا۔ وہ بڑی تختی کا نسخہ ہے، مجھ جیسے فرد کے لئے اسے اٹھانا بھی مشکل ہورہا تھا۔ اس میں فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی موجود تھا۔ لیکن یہ ترجمہ چند آیتوں کا تھا۔ جس کا سبب یہ معلوم ہوا کہ موصوف نے قرآن مجید کی کتابت کا کام مکمل کرنے کے بعد ترجمہ کا کام شروع کیا ہی تھا کہ وہ علیل ہوگئے اور اس کے بعد انتقال فرماگئے۔ جس کی وجہ سے انہیں اس ترجمہ کو مکمل کرنے کا موقعہ نہ مل سکا۔

محترم جناب محمد اسماعیل صاحب پگاڑو نے بتایا کہ حضرت پیر

محمد مراد صاحب کی مزار پر سالانہ عرس ہوتا ہے۔ جس میں سندھ بھر سے ان کے ہزارہا معتقدین شامل ہوتے ہیں۔ ہم اس موقعہ پر حضرت پیر محمد مراد شاہ صاحب کے عقید تمندوں کو تبرک کے طور پر اس قلمی نسخہ کی زیارت کراتے ہیں اور صدیوں سے ہمارے خاندان میں یہ معمول رہا ہے۔ اس قلمی نسخہ کے بارے میں ہمیں اپنے باپ دادا سے جو روایت ملی ہے وہ یہی ہے۔ ہم حضرت پیر محمد مراد شاہ صاحب کے اس قلمی نسخہ کی تفصیلات نوٹ کرنے اور عکس لینے کے بعد مولانا عبدالباری صاحب سے ملاقات کے لئے آئے۔ مولانا عبدالباری صاحب بادشاہی مسجد کے خطیب ہیں۔ بادشاہی مسجد کی یہ خطابت انہیں ورثے میں ملی ہے۔ ان کے آباد واجداد یہ خدمت سرانجام دیتے رہے ہیں جو ٹھٹہ کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا دارالعلوم بھی تھا، لیکن اب دارالعلوم کی عمارت منہدم ہو چکی ہے۔ البتہ اس کے آثار نظر آتے ہیں۔ مولانا عبدالباری صاحب دین اور دینی علوم سے افراد معاشرہ کی دوری پر افسوس کا اظہار کر رہے تھے۔ موصوف نے کالج میں لیکچرار شپ اختیار کرلی ہے اور ٹھٹہ کی بجائے کراچی میں رہائش اختیار کرلی ہے۔ مسجد میں امامت کے فرائض ان کے فرزند سرانجام دیتے ہیں۔ موصوف خود بھی ہفتہ میں ایک دو بار آجاتے ہیں۔ ان کی لائبریری میں کافی دینی کتابیں تھیں۔ پرانے بزرگوں کی بھی کافی کتابیں موجود تھیں۔ لائبریری میں قرآن مجید کے کچھ قلمی نسخے بھی تھے۔ محمد عرفان صاحب اور میں قرآن مجید پر کام کرتے رہے۔ ہمارے ساتھی محمد موسیٰ بھٹو صاحب لائبریری میں اپنے مطلب کی کتابیں تلاش کرتے رہے اور اہم کتابوں کے نوٹس لیتے رہے۔ مولانا کے ہاں دو تین گھنٹے کام کرنے کے بعد ہم دوپہر کے وقت سجاول کے لئے روانہ ہوئے۔

سجاول میں حضرت مولانا نور محمد سجاولی کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ ان کے ہاں قلمی نسخے موجود ہیں۔ حضرت مولانا موصوف کا تو اب انتقال

ہو چکا ہے، لیکن ان کا قائم کردہ مدرسہ دارالفیوض موجود ہے اور ان کے فرزند بھی۔ ہم سہ پہر مدرسہ دارالفیوض پہنچے۔ یہ مدرسہ ضلع ٹھٹہ کا سب سے بڑا دارالعلوم ہے۔ تقریباً دو ڈھائی سو طلبہ پڑھتے ہیں۔ اس سارے علاقہ میں یہ مدرسہ روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت مولانا نور محمد صاحب نے دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد یہ مدرسہ قائم کیا تھا، موصوف چشتی سلسلہ میں ہندستان کے ایک ممتاز بزرگ سے خلافت یافتہ تھے۔ معلوم ہوا کہ مدرسہ میں قرآن مجید کے تین چار قلمی نسخے موجود ہیں۔ ان کے عکس لینے اور ضروری معلومات نوٹ کرنے کے بعد ہم حیدرآباد کے لئے روانہ ہوئے۔ رات کو عشاء کے وقت واپس حیدرآباد پہنچے۔ الحمد للہ

زیر نظر کتاب میں چار سفر نامے شامل ہیں۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مدظلہ کی ذاتی ڈائری اور سفر نامے، ڈاکٹر سراج احمد خان صاحب کا سفر نامہ اور حافظ منیر احمد خان صاحب کے تین سفر نامے۔

ہمارے حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مدظلہ نے علم و ادب میں جو چراغ جلائے ہیں، وہ ان مٹ چراغ ہیں۔ ان چراغوں سے انشاء اللہ نئے نئے چراغ جلتے رہیں گے۔ محترم ڈاکٹر سراج احمد خان اور حافظ منیر احمد خان کو علمی و ادبی میدان میں خدمات سرانجام دینے کے لئے آمادگی اور حوصلہ افزائی کرنا یہ بھی حضرت ڈاکٹر صاحب کا علم و ادب پر احسان ہے۔ موجودہ دور میں جب کہ سماج میں علم وادب سے بے اعتنائی انتہا پر ہے، لکھنے پڑھنے اور مطالعہ کو غیر ضروری اور غیر اہم کام شمار کیا جارہا ہے اور خالص علمی اور تحقیقی کتابوں کی اشاعت اور ان کی فروخت کا کام غیر معمولی طور پر سست رفتاری کا شکار ہے۔ ایسے حالات میں علمی و ادبی اور تحقیقی کاموں میں زندگی کھپانا اور اپنی تہذیب اور اسلاف کے ورثے کو منتقل کرنے کی کاوشیں اور بزرگان دین کے حوالہ سے کتابوں کی اشاعت کا کام ایسی خدمت ہے، جو ناقابل فراموش ہے، بالخصوص صاحب تصوف بزرگ کی طرف سے اس طرح کے کاموں میں دلچسپی کی اہمیت دوچند ہوجاتی ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کی ذاتی ڈائری میں محترم قبلہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے حوالہ سے بعض ایسی تاریخی معلومات آگئی ہے جس سے ان کے سوانح لکھنے والوں کے لئے اہم مواد فراہم ہوگا، ڈاکٹر سراج احمد خان صاحب کے سفر نامہ میں علاقہ ہائے شمالی کے بارے میں خاصی معلومات دی گئی ہے۔ حافظ منیر احمد خان صاحب کا سندھ کا مطالعاتی دورہ ان کے قرآن مجید کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے سلسلہ میں کئے گئے دورے کی رپورٹ ہے، جس میں سندھ کی لائبریریوں، مذہبی شخصیات اور علمی مقامات کے بارے میں کافی تفصیلی معلومات اور تعارف آگیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب سفر نامے کے حوالہ سے دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ معلومات بھی فراہم کرتی ہے۔